حقیقتِ نفاق

صدرُ الدّین اِصلاحی

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

جس طرح مسلمان ہونے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کیا ہے اسی طرح یہ معلوم کرنا، اور پھر معلوم رکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام کیا نہیں ہے؟ ورنہ اسلام کی صحیح اور بے آمیز حقیقت، کی نہ حفاظت ممکن ہے نہ پیروی ۔ آج اسلام کی چند اچھی اور سچی باتیں معلوم کی جائیں گی، کل ان میں کچھ غیر اسلام کی باتیں آن شامل ہوں گی، اور محسوس نہ ہوگا کہ زرِ خالص میں کھوٹ داخل ہو گیا ہے۔ کیونکہ جو غیرِ اسلام بھی مسلمان کے پاس آتا ہے وہ اپنی ننگی صورت میں نہیں آتا، بلکہ یا تو اسلامیت کا سوانگ بھر کر آتا ہے، یا رخصتوں کا لباس پہن کر، اور مسلمان، اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ، بڑی آسانی سے اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ پچھلی امتیں اپنے اپنے انبیاء سے حقِ خالص پانے کے باوجود جو اپنی چند ہی پشتوں بعد گمراہ ہو گئیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ ان کے عوام دین کے علم سے قریب قریب بالکل کورے ہو رہتے۔ اور اگر انہیں اس کا کچھ علم ہوتا بھی کہ حق کیا ہے، تو اس سے

تقریباً نابلد ہی سے ہو جاتے کہ حق کیا نہیں ہے؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ غیر حق یعنی غیرِ اسلام ان کے افکار، عقائد، شرائع اور اعمال میں بتدریج گھستا رہتا اور وہ ان سب کو عین دین و اسلام سمجھ کر، یا کم از کم دین و اسلام کے لئے قابلِ برداشت تصور کر کے اپنے سینے سے لگاتے رہتے، تا آنکہ ایک صبح وہ آجاتی جس میں وہ اٹھتے تو اسلام کی طرف ان کے رُخ کے بجائے ان کی پشت ہوتی، اگرچہ وہ یہی سمجھتے رہتے کہ ہم ٹھیک منزلِ حق کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ غیر اسلام سے واقف ہونا اور واقف ہوتے رہنا کتنا ضروری ہے۔ پھر یہ ضرورت انفرادی صلاح اور تزکیہ کے لئے جتنی شدید ہے اس سے کہیں زیادہ شدید اجتماعی صلاح اور تزکیہ کے لئے ہے، اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس وقت تک کوئی اجتماعی حرکت اسلام کے رُخ پر نہیں کی جا سکتی جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیزیں خلافِ اسلام ہیں۔ اس لئے دعوتی مقاصد کی خاطر یہ ضروری ہے کہ گن گن کر ایسی چیزوں کی نشان دہی کی جاتی رہے، تاکہ لوگ ان سے دامن کشاں رہیں، اور افراد کا نفس بھی، اور اجتماع کا نفس بھی، دونوں ان سے پاک رہ سکیں۔

یہی غرض ہے جس کے پیشِ نظر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، جس میں "اسلام کیا نہیں ہے" کے ایک اہم جزو "نفاق" سے بحث کی گئی ہے۔ یہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ایک بڑا ناخوشگوار کام ہے، اور اس لحاظ سے خطرناک بھی کہ اس سے کتنے ہی لوگوں کے بھڑک اٹھنے کا قوی امکان ہے لیکن جب دین ہی کی مصلحتیں تقاضا کرتی ہوں تو اس خطرے کو انگیز کئے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ یہ بدنصیبی

تو بس ایک واعظ ہی کو حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ و رسول کی باتیں بھی سنا دے اور وہ اس سے چیں بجبیں بھی نہ ہوں، بلکہ اس کی باتوں سے فرحت و انبساط بھی محسوس کریں، اس لئے کہ واعظ کبھی ایسی باتوں کو چھیڑنے کی غلطی کرتا ہی نہیں جو لوگوں کی تلخ کلامی کا باعث ہوں، جن میں ان کی غلط کاریوں پر زجر و ملامت کی گئی ہو، جن میں ناپسند خاطر بھاری فرائض یاد دلا کر ان کی ادائیگی کے مطالبے کئے گئے ہوں۔ پس یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ باتیں کہتے ہی لوگوں کے غم و غصہ کا باعث ہوں گی، مجبوراً لکھی جا رہی ہیں۔ حاشا کہ ان کے لکھنے کا مدعا کسی کی دل آزاری کرنا اور دوسروں کی کمزوریاں بیان کر کے لذتِ نفس اٹھانا ہو، لذتِ نفس اٹھانا، اور وہ بھی اپنی ہی ملت کی کمزوریوں کے ذکر و بیان سے، انتہائی سفلہ پن اور دنائت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر انسان کو، بالخصوص ہر مسلمان کو دُور رکھے۔ دراصل یہاں جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے اس کا محرک صرف احساسِ درد ہے جس کا ملت اور افرادِ ملت کی نا دیدنی صورتِ حال کے مسلسل مشاہدے سے پیدا ہونا ناگزیر ہے، اور جس سے کوئی بھی حساس دل بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اگر سلسلۂ گفتگو میں تلخی کا رنگ آگیا ہو تو اس کو اسی شدتِ احساس کا نتیجہ سمجھنا چاہیے، اور یقین رکھنا چاہیے کہ یہ تلخی منافقانہ اعمال و صفات کے خلاف ہے، ان لوگوں کے خلاف نہیں ہے جن کے اندر ان اعمال و صفات نے راہ پا لی ہے، کہ یہ لوگ فی الواقع ہمدردی اور رحم کے مستحق ہیں نہ کہ غصّے اور نفرت کے۔

اس سلسلے میں ایک اُصولی بات لازماً پیشِ نظر رہے، اور وہ یہ کہ اس کتاب میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ فقہ اور فتوے کی قانونی زبان میں نہیں، بلکہ دعوت اور

اور اصلاح کی زبان میں کہا گیا ہے "قانونی زبان" میں ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ جو کچھ اس میں کہا گیا ہے اس سے لوگوں کے نفاق کا فقہی طور پر فیصلہ کیا جانا اور اس کے معیار پر بظاہر پورے اترنے والوں کو منافق ٹھہرانا مقصود ہے۔ "دعوت اور اصلاح کی زبان" میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو ان اعمال، افکار، صفات اور اخلاق سے خبردار کرنا مدنظر ہے جو حقیقتِ ایمانی کے ساتھ کسی طرح جوڑ نہیں کھاتے، جو ایک مومن کے اختیار کرنے کے ہرگز قابل نہیں، جو صرف جھوٹے مسلمانوں اور منافقوں ہی کے شایانِ شان ہو سکتے ہیں، اور جن کا وجود اس بات کا غماز ہے کہ دل ابھی تک اخلاصِ ایمانی کا لذت شناس نہیں۔ یوں اس کی حیثیت تنقیص، تفسیق، اور تضلیل کی نہیں، بلکہ صرف تنقید اور تنبیہ کی ہے جس کا مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ان باتوں سے بچیں اور اپنے آپ کو ان سے پاک کرنے کی فکر و سعی کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر، جیسا کہ آغاز گفتگو میں عرض کیا جا چکا، ایک مسلمان کا اپنے آپ کو "غیر اسلام" سے محفوظ رکھنا سخت دشوار ہے، اور دعوت و اصلاح کا کام کبھی کیا نہیں جا سکتا جب تک لوگوں کو ایمان و اسلام کے ساتھ غیر ایمان اور غیر اسلام کی مکمل تصویر بھی نہ دکھا دی جائے۔ یہ جو آپ قرآن و سنت میں کفار و مشرکین اور اہلِ نفاق کے اعمال و صفات کا اس کثرت سے تذکرہ پاتے ہیں وہ بھی دراصل اسی مصلحت سے ہے۔ بالفاظ دگر قرآن کے صفحات میں اہل کتاب، کفار، مشرکین اور منافقین کے ظاہری و باطنی احوال کو اگر قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے تو یہ اسی لئے کہ وہ کتابِ قانون سے زیادہ کتابِ اصلاح و دعوت ہے، اور قیامت تک کے لئے

اسے دنیا میں ایک داعی اور مصلح کا فرض انجام دینا ہے۔ ورنہ کوئی ضرورت نہ تھی کہ وحیِ خداوندی ان گمراہوں اور غلط کار لوگوں کے اعمال و خصائل کے تذکرے کو اتنی اہمیت دیتی، ان کا اتنا تفصیلی جائزہ لیتی، ان کے ایک ایک گوشے کو نمایاں کرتی اور پھر اس تذکرے کو "وحیِ متلو" کا ایک باضابطہ جزو بنا کر "إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ"[1] کے وعدے میں شامل کر لیتی۔ لیکن اس نے ایسا کرنا ضروری سمجھا، اس لئے کہ وہ ایک کتابِ دعوت و اصلاح تھی، اور ایک داعی و مصلح کو یہ فکر بھی کرنی ہی پڑتی ہے کہ ان باتوں کو اچھی طرح بے نقاب کر کے دکھا دیا جائے جو ضلال و فساد ہوں، تاکہ لوگ، اس کی پیروی کا دم بھرنے والے لوگ، ان سے پوری طرح مجتنب رہیں، اور ان کے فکر و عمل پر جہل اور مادیت کا زنگ نہ چڑھنے پائے۔ غرض قرآن نے اہل کفر و نفاق کے اعمال و خصائل جو بیان کئے ہیں وہ اس لئے نہیں ہیں کہ زمانۂ وحی کے کفار و منافقین کے اعمال و صفات کا کوئی تاریخی ریکارڈ رکھنا مقصود تھا، بلکہ اس لئے ہیں کہ اہلِ اسلام ان اعمال و اخلاق کو اپنی نگاہ میں رکھیں اور کبھی بھی انہیں اپنے دل و دماغ پر قابض نہ ہونے دیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس رمز سے بخوبی واقف تھے، اور انہوں نے قرآن کے اس حصے سے بھی جو کفار، مشرکین اور اہل کتاب و منافقین کے اعمال و صفات سے متعلق ہے ٹھیک ٹھیک فائدہ اٹھایا، اور اسے اسی نظر سے پڑھا جس نظر سے پڑھنے کا حق تھا۔ انہوں نے اسے محض افسانۂ غیر

---

[1] (ترجمہ) اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر - ۹)

نہیں سمجھا، بلکہ اپنے لئے عبرت کا ایک مرقع سمجھا۔ وہ برابر اپنے افکار و اعمال کو اس کے آئینے میں دیکھتے رہتے، اور اگر کوئی خفیف سے خفیف دھبہ بھی ان میں انہیں نظر آجاتا تو تھرا اٹھتے، اور بے تابانہ چیخ اٹھتے کہ ہائے، کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا! حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی اس قلبی کیفیت کے اندر جو صحبت رسول میں انہیں حاصل ہوا کرتی تھی، باہر ہوتے وقت فرق محسوس کیا تو اپنے اخلاص ایمانی کے بارے میں انہیں سخت بے اطمینانی ہوئی، بھاگے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنا اضطراب ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکر رض نے سن کر فرمایا، یہی حال تو میرا بھی ہے۔ اب دونوں حضرات دربار رسالت میں اپنی پریشانیاں لے کر پہنچے اور روئے مبارک دیکھتے ہی حضرت حنظلہ کی زبان بے قرار چلا اٹھی "نافق حنظلۃ" (اے اللہ کے رسول! حنظلہ تو منافق ہوگیا) آپ نے تفصیل پوچھی اور پھر تسلی دی کہ یہ نفاق نہیں ہے، یہ تو ایک قدرتی فرق ہے جو تمہارے دلوں میں ہونا ہی چاہیئے۔ جو کیفیت یہاں میرے روبرو تمہاری ہوتی ہے وہ یہاں سے ہٹنے کے بعد قائم نہیں رہ سکتی یہ تمہارے اخلاص ایمانی کی سب سے بڑی سند ہے کہ تم نے اس فرق کو محسوس کیا اور اس پر تمہیں اتنا اضطراب لاحق ہوا۔ اسی طرح مشہور تابعی حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ "میں تیس صحابہ سے ملا ہوں، ان میں سے ہر شخص کو میں نے اپنے متعلق اندیشۂ نفاق سے ہراساں پایا"، (بخاری کتاب الایمان) ابراہیم تیمیؒ جیسا عابد و زاہد تابعی جب اپنے قول و عمل میں موازنہ کرتا تو ڈر جاتا کہ کہیں میں دین کا مکذب (جھٹلانے والا) تو نہیں ہوں (ایضاً) حضرت حسن بصری رح کا کہنا تھا کہ نفاق

کی طرف سے مطمئن صرف منافق ہی ہو سکتا ہے، اور اس سے چوکنا رہنا صرف مومن کی صفت ہے (ایضاً) یہی حقائق تھے جن کے باعث امام بخاری رح نے ایک مستقل باب ہی ان لفظوں کا قائم کیا "خوف المومن ان یحبط عملہ وھو لا یشعر" یعنی مومن کا اس بات سے اندیشہ ناک رہنا کہ کہیں کسی حرکت سے اس کا عمل حبط نہ ہو جائے، اور اس کو اس کا شعور بھی نہ ہونے پائے۔

حضرات صحابہ و تابعین کے اس اُسوے کو دانتوں سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔ دراصل احتساب نفس ہی ایمان کا محافظ ہے، یہ نہ ہو تو ایمان کی خیر نہیں۔

امید ہے کہ ان سطور کے بعد کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہ جائے گا، اور یہ بات ذہن نشین ہو جائے گی کہ اس کتاب کا مقصدِ تالیف دوسروں کے اخلاص و ایمان کی پیمائش کرنا نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اس کا حقیقی مدعا یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے ایمان و عمل کی پیمائش کرے اور برابر کرتا رہے، اور جہاں بھی کوئی کھوٹ نظر آئے اسے دور کرنے کی مردانہ وار جدوجہد کرے۔ ہاں دوسروں کے اعمال و احوال کا اس کتاب کے مندرجات کی روشنی میں اگر اندازہ لگانا ضروری ہے تو صرف ایک پہلو سے، اور وہ ہے اتباع اور رہنمائی کا پہلو یعنی جس کسی شخص یا اشخاص کو ہم اپنی رہنمائی کے لئے منتخب کرنے جارہے ہوں ان کو اس کسوٹی پر ضرور پرکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو لوگ اپنے افکار اور اعمال میں ایمان و اخلاص کا یقین نہ دلا سکیں، ان کو اپنی پیشوائی کے لئے ہم نہ عقلاً منتخب اور قبول کر سکتے ہیں نہ شرعاً۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے بارے میں ہم کوئی قطعی حکم بھی نہ لگائیں، کیونکہ غیب کا علم اللہ

کے سوا کسے ہے؟ مگر کسی کو یقینی طور سے متہم قرار نہ دینا الگ شے ہے اور اسے اپنا امام و پیشوا مان لینا بالکل دوسری بات ہے۔

دعوتِ اسلامی

اور

فتنۂ نفاق

اسلام کے مقابلہ میں دو طاقتیں ہمیشہ سے نبرد آزما چلی آرہی ہیں، ایک کفر دوسری نفاق۔ تاریخ اسلامی کے ابتدائی صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جتنی مشکلات کفار نے پیدا کیں وہ ان موانع کی بہ نسبت کچھ کم نہ تھیں جو منافقین کی بدولت پیش آئے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار کی بھی اکثر معاندانہ کاروائیاں ان ہی منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی رہین منت ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے بارہا مشرکین کو لڑائی پر ابھارا، غزوات میں مسلمانوں کو اپنی فریب کاریوں سے نقصان پہنچایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی توہین و تذلیل کی، وطن اور حسب و نسب کے جھگڑے برپا کرکے مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ کرنے کی کوششیں کیں، تقسیم غنائم کے مواقع پر کمزور ایمان رکھنے والوں کو رسول اللہ سے بدظن کیا، اسلامی نظام کے تندرست پیکر میں طرح طرح کے وبائی جراثیم داخل کرنے

کی سعی کی۔ غرض ضرر رسانی کے جتنے طریقے ممکن ہوسکتے تھے ان میں سے کسی کو بھی فتنہ وشیطنت کے ان علمبرداروں اور دنیا کے ان پجاریوں نے باقی نہ اٹھا رکھا۔ کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے۔ ڈنکے کی چوٹ اپنی عداوت کا اعلان کرکے کھلے میدان میں دعوتِ پیکار دیتا ہے۔ لیکن نفاق پیشانی پر دوستی ورفاقت کا لیبل لگا کر، اسلام کے گھر میں بیٹھ کر، صدہا طریقوں سے اس کی بیخ کنی کرتا ہے اور اس انداز میں کہ بسا اوقات نگاہِ ظاہر بیں کو اس کا ادراک تک نہیں ہوتا۔ پھر غور فرمایئے کہ کفر کے مقابلہ میں نفاق کی خطرناکیاں کتنی زیادہ، کتنی بے پناہ اور کیسی کارگر ہوں گی؟ سورج کی روشنی میں زمین پر دوڑتے ہوئے بڑے سے بڑے اژدہے کو مار ڈالنا کچھ مشکل نہیں، لیکن جو ناگن آستین میں چھپی بیٹھی ہو، عام حالات میں اس کے زہر سے بچنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔

خیر وشر کی کش مکش آج بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح ابتدائے اسلام میں تھی، اور آج بھی حق کے مقابلہ میں وہی دونوں طاقتیں مصروفِ جنگ ہیں جو بدر واُحد کے میدانوں اور مدینہ کی گلیوں میں تھیں۔ وہی شرارِ کفر ہے اور وہی فتنۂ نفاق۔ اور دونوں ہی اپنے اپنے طور پر قرآن اور اسلام کی جڑیں کھودنے میں منہمک ہیں پس جس طرح اسلام کی مدافعت اور خدمت میں اس کے حقیقی پیرووں کے لئے کفر کے اس شرار کو بجھانا ضروری ہے اسی طرح نفاق کے اس فتنہ کا سر کچلنا بھی ناگزیر ہے، بلکہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یہ کارِ خدمت اولین توجہ کا مستحق ہے۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک زمانہ میں تو چند ہزار مسلمانوں کی ایک

چھوٹی سی جماعت روم وایران کی شوکتوں کو پاش پاش کرنے کے بعد بھی اپنے حوصلوں میں کوئی سستی اور اپنے جسموں میں کوئی تھکن محسوس نہیں کرتی اور امّت مسلمہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود ساری متمدن دنیا پر اپنی برتری کا علم لہرا دیتی ہے، لیکن آج اسی اسلام کے نام لیوا اور اسی قرآن کے اتباع کا دعویٰ کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی فضا کے ذرّوں کی طرح بے وزن ہیں، جاہلیت ان کے اوپر مسلط ہے، اور اسلامی نظام ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ گیا ہے، جس کا نام لینے سے پہلے خود اس کے پیرووں اور علم برداروں کو بھی اپنے گھروں کے دروازے بند کر لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا حق کی فطرت بدل گئی ہے؟ کیا خدا کا قانون الٹ گیا ہے؟ کیا اس انقلاب حال کی وجہ یہ ہے کہ فطرۃ اللہ پہلے اسلام کے غلبہ کی متقضی تھی اور اب کفر کے غلبہ کی متقضی ہوگئی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، اور یہ حقیقت مسلّم ہے کہ فطرۃ اللہ کبھی نہیں بدلتی، تو ماننا پڑے گا کہ تغیّر دراصل اسلام کی فطرت میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے نفس میں ہوا ہے۔

چالیس پچاس کروڑ کے عظیم الشان عدد سے دھوکا نہ کھایئے۔ یہ تعداد سب کی سب حقیقی مسلمانوں ہی کی نہیں ہے، بلکہ اس میں بڑی کثرت سے ایسے لوگ بھرے ہوئے ہیں جو عملی منافقت کے زہر سے بری طرح متاثر ہیں، حتیٰ کہ اعتقادی نفاق کے مریضوں کی بھی کمی نہیں۔ ان لوگوں کی ہر سو پھیلی ہوئی کثرت نے حقیقی مسلمانوں کی ایمانی طاقت کو بھی بے اثر بنا دیا ہے۔ یہ دراصل ایک آماس ہے جو اسلام کے جسم کو لاحق ہوگیا ہے اور اس کے اندر کی رہی سہی واقعی توانائی

کو بھی بروئے کار نہیں آنے دیتا۔ جب وہ حرکت کرنا چاہتا ہے تو یہ آماس اس کا پاؤں پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پس آنکھیں میچنے سے کوئی فائدہ نہیں، نہ مصلحت کوشی اور مداہنت کبھی غیرتِ ایمان کو گوارا ہوئی ہے، اس لئے کفر و جاہلیت پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے خود اپنے جسم کے اس زہریلے آماس کو تحلیل کرنے کی ضرورت ہے، اور آخر میں آخری چارۂ کار کے طور پر مجبوراً نشتر چلا دینے کی بھی پرواہ نہ کرنی چاہیئے اگر اس عمل جراحی سے اس موٹے جسم کا خون کثیر مقدار میں نکل جائے۔ قرآن اور اسلام کو ہرگز یہ پسند نہیں کہ امت کا جسم بس آماس یعنی نمائشی فربہی سے بھاری بھرکم نظر آتا رہے۔ انہیں تو اس پر اصرار ہے کہ جسم میں جو کچھ ہو خالص اور صالح مواد ہو۔ بلا سے اگر اس کی ظاہری لمبائی چوڑائی مرعوب کن نہ ہو۔ لہٰذا اسلام کی اصل صحت اور طاقت کا وقت وہ ہوگا جب اس کے جسم پر سے یہ غیر حقیقی موٹاپا دُور کر دیا جائے[1]۔

قرآن کی زبان میں اس کام کو "تمحیص" کہتے ہیں۔ اس نے اس امر کو جو اہمیت دی ہے وہ کسی بھی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ اس کی ان سورتوں پر جو ہجرت سے ذرا پہلے نازل ہوئیں، اور اکثر مدنی سورتوں پر تدبر کیجیے، بخصوصاً سورۂ

---

[1] "نشتر چلا دینے" "عمل جراحی کرنے" اور "غیر حقیقی موٹاپا دور کر دینے" کا مطلب صرف یہ ہے کہ اقامت و احیائے اسلام کی جد و جہد میں ان پر ہرگز اعتبار نہ کیا جائے، نہ ان کو کوئی اہمیت دی جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کو معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے باضابطہ منافق قرار دے دیا جائے اور ملت سے ان کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔

عنکبوت اور سورۂ نساء کے مطالب پر غور کیجیے، تو آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو جائے گی کہ سچے مومنوں کو جھوٹے مدعیوں سے چھانٹ کر الگ کرنا حزبِ اسلامی کی تنظیم کے لئے کس قدر اہم ہے۔ اب خود اندازہ کر لیجیے کہ اس فرض سے صرف نظر کر کے اسلام کی سچی بھلائی کا کام جب زمانۂ نبوت میں نہیں ہو سکتا تھا تو بھلا پھر کبھی کیا ہوگا؟ اس لئے اگر ملت کو اپنا اجتماعی فریضہ ——— شہادت حق کا فریضہ انجام دینا ہے تو یہ ناخوش گوار فریضہ بھی اسے انجام دینا ہی پڑے گا۔

لیکن اسے مخالفِ اسلام طاقتوں کی خوش قسمتی کہیے یا اپنی بدقسمتی، کہ اب حالات جس قدر ان کے حق میں سازگار ہیں پہلے نہ تھے۔ اور ساری باتوں کو تو چھوڑیئے، آخر اس مشکل کا کیا علاج کہ ابولہب اور ابوجہل تو اپنا نام خود بتا دیتے ہیں اور ہم انہیں پہچان کر ان کے شر سے بآسانی بچ سکتے ہیں۔ مگر یہ عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن سبا جو ہماری جماعت میں ایک دو نہیں ان گنت موجود ہیں ان کا پتہ چلانے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ کیونکہ ان کے نام بھی مسلمانوں کے سے ہیں، ان کی زبانوں سے اسلامی مفاد کے نعرے اور اسلامی درد کے نالے بھی سننے میں آتے ہیں، حتیٰ کہ بسا اوقات یہ ہاتھوں میں تسبیحیں اور بغل میں مصلّے بھی لئے ہوتے ہیں۔ اب کہاں وہ نگاہِ نبوت کی معصوم بصیرت، جو ان کی پس پردہ ذہنیتوں کو پڑھ کر ہمیں ان کے شر سے آگاہ کرے گی؟ اور کہاں وہ پردۂ غیب اٹھا دینے والے پیغامِ وحی ہیں جو بوقت ضرورت اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ[1] کہہ کر ان کے بلند بانگ دعاوی کے

---

[1] بے شک منافق جھوٹے ہیں۔ (المنافقون۔ ۱)

فریب سے ہمیں متنبہ کر دیں گے۔؟

اس میں شبہ نہیں کہ ان دشواریوں کے پیش نظر قانونی حیثیت سے مومن اور منافق کی قطعی تمیز اور تحصیص بہت ہی مشکل، بلکہ بسا اوقات ناممکن ہے۔ لیکن جہاں تک اسلامی مقاصد کے لئے قابلِ اعتبار اور ناقابلِ اعتبار افرادِ ملت کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کا تعلق ہے، یہ کام ہرگز ناممکن نہیں۔ قرآن حکیم اگر رب العالمین کا نازل کردہ ہے اور دنیا کی آخری زندگی تک کے لئے قول فیصل اور فرقان بن کر آیا ہے تو یقیناً اس کی قدر و حیثیت کا تقاضا ہے کہ اس حیرانی اور دشواری کے وقت بھی وہ ہماری رہبری کرے اور اس کی آیات منافقت کے ایک ایک مریض کی طرف انگلی اٹھا کر بتا دیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تمہیں ہوشیار رہنا چاہیئے، کیا معلوم کہ ان کے اندر کیا کچھ ہے؟ چنانچہ جب ہم اس غرض سے قرآن پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معًا تصویرِ نفاق کے مختلف رُخ اور اس کے ایک ایک خط و خال وہ ہمارے سامنے بے حجاب کر دیتا ہے۔ یہ بے حجاب تصویر ہمیں وہ سب کچھ بتا دیتی ہے جس کے جاننے کے ہم حاجتمند ہیں۔ آیئے اس تصویر کو دیکھیں۔ لیکن سطح کے نقش و نگار دیکھنے سے پہلے اس کے باطن کا مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ اس لئے پہلے نفاق کی حقیقت اور اس کے محرکات کا کھوج لگا لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بغیر نفاق کے مختلف عملی مظاہر کی الگ الگ صحیح نوعیت نہیں معلوم کی جا سکتی۔

نفاق کی حقیقت

نفاق کسے کہتے ہیں

"نفق" کے بنیادی معنی، جس سے یہ لفظ "نفاق" نکلا ہے، گذر کر پار ہو جانے کے ہیں۔ پھر آگے چل کر اس اصل سے جتنے الفاظ نکلے ہیں، ان سب میں یہ بنیادی معنی قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ مثلاً "نفق" سرنگ کو کہتے ہیں، جس میں ایک طرف داخل ہونے کا اور دوسری طرف نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔ "نافقاء" چوہے کے اس بل کو کہتے ہیں جس میں دو سوراخ ہوں، ایک گھسنے کا، دوسرا نکل بھاگنے کا۔ پاجامے کا نیفہ "نیفق" کہلاتا ہے جس کا بھی یہی حال ہے۔ غرض ان سب چیزوں میں داخل ہو کر گذر جانے اور پھر پار ہو کر باہر نکل جانے کا مفہوم موجود ہے۔ "نفاق" کا لفظ بھی اسی برادری کا ایک فرد ہے، اور اس کے معنی ہیں:۔

الدخول فی الشرع من باب والخروج عنه من باب۔ (مفردات امام راغب)

"دین میں ایک دروازے سے داخل ہونا اور دوسرے سے باہر نکل آنا۔"

دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے باہر نکل آنا دو وجہوں سے ہو سکتا ہے:۔
ایک تو یہ کہ دین میں داخلہ محض دکھانے کے لئے ہوا ہو اور دل بدستور کفر و انکار پر جما ہوا ہو۔ دوسری یہ کہ یہ داخلہ ہوا تو ہو اسلام سے تعلق خاطر ہی کی بنا پر لیکن یہ تعلق خاطر اتنا ضعیف ہو کہ دوسرے تعلقات اس پر پوری طرح غالب ہوں پہلی قسم کا "نفاق" "نفاق عقیدہ" اور دوسری قسم کا نفاق "نفاق عمل" کہلاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے لفظوں میں:۔

اما منافقان دو قسم بودند:۔

(۱) گروہے بزبان کلمۂ ایمان مے گفتند و دل ایشاں مطمئن بود بکفر و جحود صرف بخاطر اظہار مے کردند۔ و در حق ایشان است فِی الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ اعراف

زمانہ رسالت میں منافق دو طرح کے تھے:۔

ایک تو وہ لوگ جو زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرتے تھے، مگر دل ان کے پوری طرح کفر اور جحود پر جمے تھے، صرف دھوکہ دینے کے لئے ایسا کہتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے (فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

---

(۲) گروہے داخل شدند در اسلام بضعف مثلاً بہ عادات قوم خود معتاد اند، اگر قوم مسلمان باشد ایشاں نیز مسلم شوند و اگر کافر باشد ایشاں نیز کافر، و مثلاً اتباع لذات دنیویہ دنیہ بر دل ایشاں چنداں ہجوم کردہ است کہ محبت خدا و محبت رسول را جائے نہ گذاشتہ، یا حرص مال و حسد و حقد و مثل آں مالک قلب ایشاں شدہ است کہ حلاوت مناجات و برکات عبادات

را بخاطر ایشاں جائے نگذاشت، و مثلاً اشتغال بامور معاش چنداں مشغوف خود ساخت کہ اہتمام بامر معاد و آں را توقع داشتن و در فکر آں افتادن فرصت نداد، و مثلاً در رسالت حضرت پیغمبر ما ظنون واہیہ و شبہات رکیکہ بخاطر ایشاں مے گذرد، ہر چند تا آنجا نمے رسند کہ خلع ربقۂ اسلام کنند، و از ان باب بکلی بر آیند و منشا آں شکوک جریان احکام بشریت است بر حضرت پیغام بر و ظہور ملت اسلامیہ در صورت غلبۂ ملوک بر اطراف ممالک و مانند آں، و مثلاً محبت قبائل و عشائر ایشاں ماہر آں داشت کہ در نصرت ایشاں و تقویت و تائید ایشاں ہر چند خلاف اہل اسلام باشد سعی بلیغ بہ تقدیم رسانند و دریں مقابلہ امر اسلام سست کنند۔ و ایں قسم نفاق عمل و نفاق اخلاق است۔ (الفوز الکبیر)

(۲) دوسرے وہ لوگ جو دائرۂ اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے مگر ان کے ایمان میں کمزوریاں تھیں، پختگی نہ تھی (اس ضعف ایمانی کی مختلف نوعیتیں تھیں) مثلاً ایک گروہ تو ان لوگوں کا تھا جو ہر معاملہ میں اپنی قومی روش کو دیکھتے تھے، اگر قوم مسلمان ہوئی تو اس کے پیچھے یہ بھی مسلمان ہو گئے، اور اگر وہ کافر ہی تو یہ بھی کافر ہی رہے، دوسرا گروہ ایسے لوگوں کا تھا جن کے دلوں پر دنیا کی حقیر لذتوں کا عشق بری طرح چھایا ہوا تھا، ایسی بری طرح کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لئے ان میں کوئی جگہ خالی نہیں رہ گئی تھی، یا دولت کا لالچ، حسد اور کینہ وغیرہ باطنی کثافتیں اس طرح ان کے دلوں پر قبضہ کئے ہوئے تھیں کہ دعا کی حلاوتوں اور عبادت کی برکتوں کے محسوس کر سکنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہ گیا تھا۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جن

کو معاشی افکار و اشغال نے اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا اور وہ اس امر کی ان کو فرصت ہی نہ لینے دیتے تھے کہ وہ آخرت کا بھی کوئی خیال کریں اور اس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں۔ چوتھا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر پورا اطمینان ہی نہیں تھا، اور اس باب میں ان کے سینے بیہودہ گمانوں اور رکیک شبہوں کی گذرگاہ بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ شبہات اس حد کو نہیں پہنچے ہوئے تھے کہ وہ اپنی گردنوں سے حلقۂ اسلام نکال کر باہر پھینک دیتے، اور اس سے علانیہ کنارہ کش ہو جاتے۔ ان شبہات کی پیدائش کا سبب یہ تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام حالات بشریت کے حالات تھے اور ملتِ اسلامیہ کا ظہور اور عروج اطراف عالم پر ملوکانہ اقتدار کی شکل میں ہوا (اور یہ دونوں ہی باتیں ان کی ناقص فہم کے تراشے ہوئے معیار کے مطابق نہ تھیں) یہ اور اسی طرح کے کچھ اور بھی اسباب تھے جنہوں نے ان کو مسئلۂ نبوت محمدی میں غیر مطمئن بنا رکھا تھا۔ پانچواں گروہ ایسے افراد کا تھا جن کے اندر قبائلی اور خاندانی محبت اس حد تک رچی بسی ہوئی تھی کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ اپنے اپنے قبیلوں کی تائید و اعانت میں ہر طرح کی مساعی پر ثابت قدم رہیں، اگرچہ وہ اہل اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتی ہوں، اور اس طرح حق و باطل کے معرکہ میں مفاد اسلام کو مجروح کرنے سے دریغ نہ کریں ——— نفاق کی اس قسم کو نفاقِ عمل یا نفاقِ اخلاق کہتے ہیں۔

قرآن مجید نے منافقین کے احوال و صفات پر جو مفصل تبصرے کئے ہیں، شاہ صاحب نے ان مختصر لفظوں میں دراصل ان ہی تبصروں کا ایک اصولی تجزیہ کیا

ہے، اس لئے ان کے اس تجزیے کو ذہن میں رکھیئے۔ کیونکہ آگے جو مباحث آئیں گے وہ بڑی حد تک اسی اجمال کی تفصیل ہوں گے۔

نفاق کے بنیادی محرکات

نفاق کا رویہ اختیار کرنے پر انسان کو جو چیزیں ابھارتی ہیں ان کی تفصیل تو بہت لمبی ہے لیکن اس کے بنیادی محرکات صرف تین ہیں:۔

اسلام کو اندر سے سبوتاژ کرنے کی خواہش، مادی مفاد کی پرستش، حقائق دینی کے صحیح ادراک سے محرومی۔

ان میں سے پہلا محرک "نفاقِ عقیدہ" کے ساتھ اور تیسرا "نفاقِ عمل" کے ساتھ مخصوص ہے، رہ گیا دوسرا محرک تو وہ دونوں میں مشترک ہے، اس سے نفاقِ عمل بھی پیدا ہوتا ہے اور نفاقِ عقیدہ بھی۔ قرآن میں منافقین کی جو حرکات بھی بیان کی گئی ہیں ان کی تہ میں ان ہی تین بنیادی محرکات میں سے کوئی نہ کوئی محرک کام کرتا ہوا لازماً نظر آتا ہے۔ مثلاً:۔

(۱) یہ اسلام کو اندر سے سبوتاژ کرنے کی شیطانی خواہش ہی تھی، جس نے مسجد ضرار بنوائی تھی۔ چنانچہ جب بنانے والوں نے کہا کہ اس تعمیر سے ہمارا مقصد سوائے نیکی اور بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ (إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ) (التوبہ۔ ۱۰۷) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ جھوٹے ہیں" (إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ) (التوبہ۔ ۱۰۷) ان کا مقصد تو یہ ہے کہ اس طرح وہ مسلمانوں کی جمعیت میں پراگندگی ڈال کر ان کی قوت کا شیرازہ بکھیر دیں۔ (وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ) (اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر

پر اور پھوٹ ڈالنے کے لیے مسلمانوں میں اور گھات کی جگہ اس کے لئے جو لڑتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف پہلے سے۔) (التوبہ ۔ ۱۰۷) (۲) یہ ذاتی مفاد جان و مال کی پرستش ہی تھی کہ کچھ لوگ مسلمانوں اور اسلام کے دشمنوں، دونوں سے یکساں یارانہ رکھنا چاہتے تھے، اور مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا، اور دشمنانِ اسلام کے سامنے اپنے نامسلمان ہونے کا یقین دلایا کرتے تھے۔ مقصود اس دورُخے پن کا صرف یہ تھا کہ وقت پر دونوں گروہوں سے حقوق اور فائدے حاصل ہوں (فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ...) پھر اگر تمہیں فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہیں: کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر کافروں کی بن آئے تو کہیں: کیا ہم نے تم پر قابو نہ پالیا تھا اور پھر بھی تم کو بچا لیا مسلمانوں سے (النساء ۔ ۱۴۱) یا کم از کم یہ کہ ہر فریق سے محفوظ رہیں اور کسی کی بھی مخالفت کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے۔ (يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ) (وہ تم سے بھی محفوظ رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی۔) (نساء ۔ ۹۱)

(۳) یہ حقائق قرآنی اور تعلیمات اسلامی کے صحیح ادراک سے محرومی ہی تھی کہ جب احد کے میدان میں کچھ سخت حالات سے سابقہ پیش آیا تو ایک گروہ کے دماغوں میں وہ خیالات گردش کرنے لگے جن کا ایمان سے کوئی جوڑ نہیں۔ (يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ) (گمان کرتے ہیں اللہ کے بارے میں ناحق، جاہلیت کا گمان۔) (آل عمران ۔ ۱۵۴)

یہ تینوں محرکات کی مثالیں ہیں۔ آپ جس قسم کے منافقین کی ذہنیتوں کا بھی جائزہ لیں گے، ان ہی تین میں سے کوئی نہ کوئی محرک ان میں پنہاں نظر آئے گا۔ یہی

وجہ یہ ہے کہ منافقین کے اعمال بد پر زجر و ملامت کرنے کے بعد جب قرآن حکیم انہیں کچھ نصیحتیں کرتا ہے تو ان نصائح کے پس منظر میں ان ہی تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ضرور ہوتی ہے۔ ۱۔ یعنی یا تو وہ یہ سمجھاتا ہے کہ سازشوں اور کید دیوں سے اسلام کی بڑھتی ہوئی رو کو نہیں روکا جا سکتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ ۲۔ یا پھر وہ یوں فرماتا ہے کہ دیکھو جان، مال اور اولاد کی غیر معتدل محبتوں سے بچو، یہ فتنہ ہیں۔ ۳۔ یا پھر وہ ایمان افروز مواعظ اور دلائل سناتا ہے اور ذہنوں کو شک و ریب کے امراض سے پاک کر کے توحید اور قیامت کی بے آمیز حقیقتیں ان میں مضبوطی سے جمانے کی کوشش کرتا ہے۔

پہلے قسم کا اندازِ بیان وہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب اس کے سامنے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسلام کو اندر سے تباہ کرنے کی غرض لے کر اس کے گھر میں داخل ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے قسم کا اندازِ موعظت وہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مخاطب کو نفاق کی بیماری ذاتی مفاد پرستی نے مبتلا کر رکھا ہے۔ تیسرے قسم کا اندازِ تفہیم وہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب اس کا روئے سخن اصولِ دین کی حقیقت نہ پا سکنے والے جاہل منافقین کی طرف ہوتا ہے۔

مُنافقین کی قسمیں

مُنافقین کی اُصولی تقسیم

اگرچہ نفاق کے بنیادی محرکات تین ہیں، اور نفاق یا تو اعتقاد کا ہوتا ہے یا پھر عمل کا اس لئے ریاضی کے حساب سے منافقین کی اصولی قسمیں چھ ہونی چاہئیں۔ لیکن باعتبار واقعہ یہ قسمیں صرف چار ہیں۔ کیونکہ ان محرکات میں سے دو تو ایسے ہیں جن سے عملاً صرف ایک قسم کے منافق وجود میں آتے ہیں، اور صرف ایک محرک ایسا ہے جن سے اعتقادی اور عملی دونوں ہی قسم کے منافق پیدا ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا۔ یہ چاروں قسمیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) اسلام کو اندر سے تباہ کرنے والے اعتقادی منافق

یعنی وہ لوگ جن کو اسلام سے فی الواقع کوئی لگاؤ نہ ہو، بلکہ وہ اس کے منکر اور کٹر دشمن ہوں، مگر مسلمانیت کا۔ لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں اس لئے آگھسے ہوں کہ ان کے خیال میں اسلام کی بیخ کنی کا یہ ایک کارگر طریقہ ہے۔

(۲) مفاد پرست اعتقادی منافق

یعنی وہ لوگ جو حقیقتاً اسلام کے صد فی صد منکر اور مخالف ہوں، لیکن محض اپنے دنیوی مفاد کی حفاظت کرنے یا کچھ مزید مادی مفادات حاصل کرنے کی خاطر "مسلمان" بنے ہوں۔ گویا اس گروہ کی منافقت کا اصلی محرک اسلام کی عداوت اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی خواہش نہیں بلکہ اپنے ذاتی اغراضِ مادی کی پرستش ہے، جب کہ پہلے گروہ کا حقیقی محرکِ نفاق اس کے برعکس اپنے مادی مفادات کی حفاظت یا تحصیل نہیں بلکہ اسلام کی خواہش استیصال ہے۔ تاہم یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ مفاد پرست منافق استیصالِ اسلام کی فکر اور خواہش سے بالکل خالی ہوں گے۔ قدرتاً یہ خواہش ان کے اندر بھی ہوگی اور ضرور ہوگی۔ یہاں سوال جو کچھ ہے اصلی محرک کا ہے، وہ اصلی محرک جو درحقیقت کسی انسان کی عملی پالیسی بناتا ہے، اور باقی جذبات و میلانات جس کے تابع ہوتے ہیں اور اس کے اذن کے بعد ہی ظہور میں آتے ہیں۔

(۳) شک و ریب میں مبتلا عملی منافق

یعنی وہ لوگ جو ہوں تو دائرۂ اسلام ہی میں، مگر توحید، آخرت، نبوت، جزا و سزا وغیرہ اصول دین کی ضروری معرفت سے بے بہرہ ہوں۔

(۴) مفاد پرست عملی منافقین

یعنی وہ لوگ جو دائرۂ اسلام سے باہر تو نہ ہوں مگر ان کا اسلام سے رشتہ اتنا بودا ہو کہ جب اسلام کے تقاضوں اور ذاتی مفاد کے تقاضوں میں ٹکراؤ ہو تو یہ رشتہ ٹوٹ جائے۔

پھر ان اصولی قسموں کی بھی ذیلی قسمیں ہیں، کیونکہ محرکاتِ نفاق ہمیشہ ایک ہی شکل و صورت والے منافق نہیں پیدا کرتے۔ اسی طرح نہ تو عقیدے کا نفاق ہمیشہ کسی ایک ہی عملی پالیسی کا روپ اختیار کرتا ہے، نہ عمل و اخلاق کا نفاق کسی متعین قالب میں ظہور کرتا ہے۔ بلکہ یہ اشکال اور قوالب متعدد ہوتے ہیں، جن کا قرآن میں مفصل تجزیہ کیا گیا ہے۔ نفاق کی حقیقت جاننے اور اس کی صورت پہچاننے کے لئے الگ الگ ان سب شکلوں اور ذیلی قسموں کا جاننا ازبس ضروری ہے، اس لئے ہم یہاں ترتیب وار ان چاروں اصولی قسموں کو لے کر ان کی ذیلی اقسام کا بھی مختصر تذکرہ کریں گے۔

قسمِ اوّل

اسلام کو اندر سے تباہ کرنے والے اعتقادی منافق

یہ سب سے خطرناک قسم کے منافق ہوتے ہیں، کیونکہ اسلام کی تباہی ان کی زندگی کا مشن ہوتی ہے اور وہ کسی مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ ایک باقاعدہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایوان اسلام میں آگھسے ہوتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اندر ڈائنامیٹ بچھا کر پورے ایوان کو بھک سے اڑا دیں۔ ان کو آپ لشکر نفاق کا جانباز دستہ کہہ سکتے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت ایسے منافقین کی تین قسمیں تھیں:۔

(۱) کفر و ارتداد کے سازشی مبلّغ

ایک گروہ تو ان لوگوں کا تھا جو اسلام قبول کرنے کا اعلان صرف اس لئے کرتے

تھے کہ بعد میں مرتد ہو جائیں گے اور منہ بگاڑے ہوئے اسلام سے باہر نکل آئیں گے، تاکہ دنیا کو اور خود مسلمانوں کو اسلام سے متنفر اور برگشتہ کر سکیں، ان سے کہہ سکیں کہ اسلام کا ظاہری رنگ و روغن تو واقعی بڑا دلکش ہے، مگر اندر کیا کچھ ہے؟ یہ نہ پوچھو بس یہ جان لو کہ اگر اسلام حق مذہب ہوتا تو ہم اسے قبول کر کے چھوڑ کیوں دیتے؟ اس طرح یہ اگلے محاذ پر لڑنے والے کھلے مخالفین اسلام و ائمۂ کفر کو بھی ایک نہایت موثر ہتھیار فراہم کرنے کی ترکیب تھی۔ کیونکہ وہ ان نمائشی واقعات ارتداد کو لے کر اسلام کے خلاف بڑا ہی زبردست پروپیگنڈہ کرتے اور کہتے کہ اسلام کا "در دکان" تو بڑا نظر فریب ہے مگر "اندرون خانہ" کی کیفیت ان واقفان حال سے پوچھو جو اس فریب سے مسحور ہو کر اندر گئے تھے مگر وہاں ٹھیر نہ سکے، اور حقیقت حال جب عیاں ہوئی تو الٹے پاؤں پھر آنے پر مجبور ہو گئے۔ قرآن اس گروہ کا تذکرہ ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔

(آلِ عمران - ۷۲)

"اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے آدمیوں سے کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو قرآن اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو، تاکہ دوسرے بھی انہیں دیکھ کر اس دین سے اکھڑ جائیں۔"

اسلام کی اجتماعی طاقت کو توڑنے اور اس کی ہوا اکھاڑنے کے لئے دشمنوں کا یہ کتنا موثر نفسیاتی حربہ تھا؟ اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ بات لازماً پیش نظر رہے کہ کفر و ارتداد کے یہ سازشی مبلغ مشرکوں میں سے نہ تھے، بلکہ اہل کتاب

میں سے تھے۔ اگر وہ مشرکوں میں سے ہوتے تو ان کے اس داؤں کا کوئی موثر نتیجہ شاید ہی برآمد ہوتا۔ کیونکہ اس وقت یہ تاویل کی جا سکتی تھی کہ یہ لوگ پشتہا پشت سے توحید، معاد، نبوت اور وحی کی حقیقت سے نابلد چلے آ رہے تھے، اس لئے آسانی سے ان کے ذہن قرآن کی ان بنیادی تعلیمات کو ہضم نہیں کر سکے اور وہ الٹے پاؤں پھر گئے۔ لیکن جب یہ الٹے پاؤں پھر جانے والے اہل کتاب ہوں ــــ اور بہت ممکن ہے کہ علمائے اہل کتاب ہوں ــــ تو اس تاویل کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ لوگ تو وہ تھے جن کے واقف اسرار ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا تھا! توحید، معاد، نبوت غرض سارے ہی حقائق دینی کی "معرفت" ان کی تو گھٹی میں پڑی ہوئی تھی! اس لئے اگر یہ لوگ اسلام کے گھر میں داخل ہونے کے بعد منہ بنائے ہوئے باہر نکل آئے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام یقیناً ایک باطل دین ہے! یہ دوسری بات ہے کہ بفضل خدا ان کا یہ اندازہ صحیح نہ نکلا۔

(۲) دشمنانِ اسلام کے جاسوس

دوسری قسم ان منافقین کی تھی جو اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کی جمعیت میں اس لئے گھس گئے تھے کہ ان کے سیاسی عزائم و تدابیر کی ٹوہ لگاتے رہیں اور اپنی قوم کو یا دوسرے اعدائے اسلام کو ان سے باخبر کیا کریں۔ قرآن میں ان کا گروہی تعارف یوں کرایا گیا ہے:۔

سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ۔ (المائدہ - ۴۱)

"یہ لوگ جھوٹ کے لئے کان لگانے والے ہیں، ان دوسرے لوگوں

کے لئے باتیں سننے والے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے۔"

اور پھر ان کی شر انگیزیوں اور دسیسہ کاریوں کا حال ان لفظوں میں بیان فرمایا گیا ہے:۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ... وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ط (النساء۔۸۳)

"منہ سے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اطاعت گذار ہیں، مگر جب تمہارے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ تمہارے کہے کے خلاف راتوں کو کچھ اور ہی بکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسے اہل حل وعقد کے پاس صیغۂ راز میں رکھنے کے بجائے پھیلا دیتے ہیں۔"

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ۔ (مجادلہ۔۸)

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آئے اور گناہ اور زیادتی اور نافرمانی رسول کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

گو جاسوس ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی اصل کامیابی اسی میں تھی کہ کہیں سے بھی اپنا رازِ درون ظاہر نہ ہونے دیں، اور وہ اس احتیاط میں کچھ خام کار بھی

نہ تھے، لیکن اندر کی کڑھن ان کے لئے عذاب جان تھی۔ جو دشمن اور معاند اپنے جذبات عناد کا کسی نہ کسی طرح اظہار کر دیتا ہے، اس کا دل بہرحال کچھ نہ کچھ ہلکا ہو جاتا ہے، مگر جاسوسی کی شدید احتیاط پسندی جس معاند کے اعمال و اقوال پر پہرے بٹھائے ہو، اس بدنصیب کو تو عذاب باطن کی تخفیف کا یہ موقع بھی میسّر نہیں۔ اس لئے قدرتاً ان جاسوس منافقوں کے سینے ایک ایسے تنور کے مانند تھے جس میں اسلام کی نفرت اور عداوت کی آگ ہر دم جلتی رہتی تھی۔ وہ مسلمانوں کی برتری اور خوش حالی کو دیکھ کر غصہ سے پاگل ہو جاتے، اور انہیں مصائب میں گھرا دیکھ کر قلبی مسرّت محسوس کرتے۔ قرآن نے ان کی اس کینہ جوئی کے مکروہ چہرے سے یوں نقاب اٹھائی ہے:۔

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔ (آل عمران ۱۱۹)

"جب یہ لوگ تم (مسلمانوں) سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں چبائے لیتے ہیں۔"

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا۔ (آل عمران۔۱۲۰)

"اگر تمہارا کوئی بھلا ہوتا ہے تو یہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو انہیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

(۳) تفرقہ انگیزی کے علم بردار

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ملّتِ اسلامی میں محض تفرقہ ڈالنے اور فتنہ وفساد

برپا کرنے کی خاطر گھس آئے تھے۔ یہ لوگ عموماً نازک مواقع کی گھات میں رہتے، اور اگر ملتِ اسلام کی شیرازہ بندی مضبوط ترین رشتوں سے ہوئی تھی تو شیطان کے یہ ایجنٹ بھی تفرقہ پردازی کے وہ کامیاب ترین طریقے استعمال کرتے جو ان کا دعلم آج تک ایجاد کر سکا ہے، یعنی مذہبی تفرقہ اندازی اور نسلی و وطنی اختلاف انگیزی کے طریقے۔ چنانچہ ایک طرف تو انہوں نے یہ کوشش کی کہ اس دین کو دین ہی کے نام سے اور "دین" ہی کے ذریعہ تباہ کیا جائے، شر کو خیر کا جامہ پہنا کر خیر کے سر پر دے مارا جائے اور زہر ہلاہل کو تریاق کا رنگ دے کر ملت اسلامی کے حلق میں اتار دیا جائے۔

دوسری طرف ان کی سعی یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان نسلی، قومی اور وطنی اختلافات پیدا کر دیں اور موقع پا کر قبائلی عصبیتوں کو ابھار کر انہیں باہم ٹکرا دیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک داؤں بھی کامیاب ہو گیا تو پھر کچھ اور کرنے کی ضرورت نہ رہے گی، اور جو دعوت ایک سیلِ رواں کی طرح سطحِ ارض پر چھائی چلی جا رہی ہے وہ خود اس طوفانِ اختلاف میں غرق ہو جائے گی۔ حسبِ ذیل دو واقعات سے ان کی ان دونوں قسم کی فتنہ زائیوں کا صحیح اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کفرزار مکہ سے مایوس ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے تو ابتدا میں آپ نے شہر سے تین میل کے فاصلے پر قبا نامی ایک مقام پر چند روز قیام فرمایا تھا۔ (باختلاف مورخین چار دن یا چودہ دن قیام رہا)، اس اثنا میں باقاعدہ اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے آپ نے اپنے دست

مبارک سے ایک مسجد کی بنا ڈالی، جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہوئی۔ ۹ھ میں ابو عامر راہب کے اشارے پر منافقین نے اس کے قریب ہی ایک اور مسجد بنائی اور مشہور کیا کہ کمزور اور مجبور لوگوں کے لئے جو بارش یا رات کی تاریکی میں اس مسجد تک نہیں جا سکتے، ہم نے یہ انتظام کیا ہے، تاکہ وہ آرام سے یہاں نماز پڑھ لیں۔ تعمیر مکمل ہو چکنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان منافقین نے استدعا کی کہ آپ بطور تبرک اس کا افتتاح فرما دیں، اس کے بعد ہم نماز پڑھیں گے۔ قبل اس کے کہ آپ ان کی اس خواہش کو عملاً شرف پذیرائی بخشتے، عالم الغیب نے ان بد طینت لوگوں کی اس مکروہ اور خطرناک چال کا راز فاش کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ:۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔ (توبہ۔ ۱۰۷)

"اور (ایک قسم کے منافقین وہ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد تیار کی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیں، اور ان لوگوں کے لئے کمین گاہ مہیا کریں۔ جو پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے۔ (مسجد کی تعمیر تو اس نیت سے عمل میں آئی ہے لیکن جب پوچھا جائے گا تو) قسمیں کھا کر کہیں گے کہ نیکی کے سوا ہمارے ارادوں میں کوئی چیز نہیں۔ مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ سو (بس) اے پیغمبر! تم اس مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھنا..... الخ"

(۲) غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر ایک انصاری اور ایک مہاجر میں معمولی سی جھڑپ ہو گئی تھی۔ سید المنافقین عبداللہ ابن ابی نے موقع غنیمت جانا۔ انصار کو ان کے اپنے نسلی اور قومی مفاخر یاد دلائے، اور کہا کہ یہ غیر ملکی اب تمہاری عزت و غیرت کو بھی پامال کرنے لگے ہیں، کل تک تمہارے رحم و کرم پر جی رہے تھے، آج تمہارے منہ آرہے ہیں، بلکہ خود ذلیل ہوتے ہوئے الٹا تم ہی کو ذلیل اور کمتر سمجھ رہے ہیں۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ (اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا کرو، تاکہ وہ تمہیں کاٹ کھائے") اللہ تعالیٰ نے تفریقِ ملت کے متوقع فتنے سے لوگوں کو فوراً متنبہ کیا اور عزت و ذلت کے جاہلی تصورات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ (منافقون۔ ۸)

"یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والے (یعنی اہل مدینہ) ذلیل لوگوں (یعنی آنحضرتؐ اور مہاجرین) کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ حالانکہ اصلی عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے۔ لیکن یہ منافق نہیں جانتے۔"

قسم اول کے منافقین کی یہی تین ذیلی قسمیں تھیں۔ لیکن "تین قسموں" کے لفظ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کے درمیان لازماً کوئی حدِ فاصل بھی تھی، اور کسی منافق کے کسی ایک قسم میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو باقی دو قسموں کے کام اور مقصد سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کے برخلاف، تین قسموں میں تقسیم کرنے کا مطلب

صرف یہ ہے کہ ان منافقوں کی عملی شرانگیزیوں کے بنیادی نکات سامنے آجائیں۔ ورنہ عملی حیثیت سے یہ عین ممکن ہے کہ ایک منافق بیک وقت دو قسموں میں شمار ہوتا ہو، اور کوئی پہنچا ہوا منافق تینوں قسم کے کارنامے انجام دے رہا ہو۔ کیونکہ ان تینوں گروہوں کا محرکِ عمل، نقطۂ نظر اور مقصودِ حیات ایک ہی تھا، اس لیئے ان کے عام طرزِ عمل میں گہری مناسبت کا ہونا لازمی بات ہے، اور ہمارے آپ کے لئے یہ متعین کرنا آسان نہیں کہ کون منافق کس خاص کام کے لئے "مسلمان" بنا تھا۔

قسم دوم

مفاد پرست اعتقادی منافق

اب ان اعتقادی منافقین کو لیجیئے جو اسلام کا لبادہ محض اپنے مادی مفاد کی خاطر اوڑھے ہوئے تھے۔ ان کی نمایاں قسمیں چار تھیں:۔

(۱) شوکتِ اسلام کے "کلمہ گو"

ایک بڑا گروہ ان منافقوں کا تھا جنہوں نے اسلام کا نہیں بلکہ شوکتِ اسلام کا کلمہ پڑھا تھا، یعنی جو تھے تو کٹر کافر، مگر چونکہ بزدل تھے اس لئے اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور مسلمانوں کی روز افزوں طاقت سے مرعوب ہو کر مجبوراً اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن شہادت دے رہا ہے:۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۔ (توبہ۔ ۵٦)

"اور یہ (منافق) خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ "یقیناً ہم تم (مسلمانوں) میں سے ہیں (یعنی تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں)، حالانکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ یہ ڈر کے مارے ہوئے لوگ ہیں"

یعنی جو چیز اندر سے اسلامیت کا اعلان کرا رہی ہے وہ کوئی یقین اور ایمان کا جذبہ نہیں ہے، بلکہ ان کی وہ بزدلی ہے جو انہیں شوکتِ اسلام سے دہشت زدہ کر رہی ہے، اور اس لئے وہ بالکل مجبور ہیں کہ اپنے ایمان کا اور اسلامی ملت سے ہم رشتگی کا جھوٹا مظاہرہ کریں۔ کیونکہ انہیں خوف ہے کہ اسلام کا یہ امنڈتا ہوا سیل بے پناہ، جو تمام منکرین اسلام کو بے دست و پا کئے دے رہا ہے، ایک دن انہیں بھی اپنی زد میں لے لے گا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب کبھی انہیں اسلامی اقتدار کی گرفت سے نکلنے کی کوئی صورت نظر آتی، فوراً وہ اسلامیت کا نمائشی جوا بھی اپنی گردن سے اُتار پھینکتے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات کے بعد ہی آتا ہے کہ:-

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ - (توبہ ۵۷)

"ان بزدل منافقوں کا جو زبان سے آستانہ صداقت چلاتے ہیں حال یہ ہے کہ اگر کوئی جائے پناہ پا جائیں یا چھپ رہنے کے قابل، غار، یا گھس بیٹھنے کی کوئی اور جگہ انہیں نصیب ہو جائے تو سرکشانہ اس کی طرف دوڑ پڑیں"

معلوم ہوا کہ یہ اسلام جس کا یہ بدکیش منافق اظہار کیا کرتے تھے، غرض اور مجبوری کا اسلام تھا، اعترافِ حق اور شرحِ صدر کا اسلام ہرگز نہ تھا۔ قرآن حکیم

ایک جگہ اور زیادہ کھلے لفظوں میں کہتا ہے :-

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ - (حجرات ۱۴)

"بدو کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے"۔ اے پیغمبر، ان سے کہہ دو کہ "تم ایمان نہیں لائے ہو۔ (پس یوں نہیں) بلکہ یوں کہو کہ "ہم مسلمان (یعنی بظاہر مطیع) ہو گئے ہیں"۔ ایمان کا تو ابھی تمہارے دلوں میں گذر تک نہیں ہوا"

غرض ان کے "ایمان" کی اصل علت ان کی بزدلی تھی۔ دل تو صداقتِ قرآنی کے منکر تھے، لیکن طاقت کے خوف سے زبان اس کی صداقت کا بار بار اقرار کرتی رہتی تھی۔ پر اس "صداقت پسندی" کے عملی مظاہر کب اس راز کو راز رہنے دے سکتے تھے۔ ان کی پوری زندگی کا نقشہ ہی خود اس رازِ درون کا سب سے بڑا پردہ در تھا۔ ان کے سوچنے کا انداز، ان کی گفتگو کا اسلوب، ان کے کام کا ڈھنگ غرض سبھی کچھ ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب میں مصروفِ شہادت تھا۔ جہاں تک سوچنے کا تعلق ہے ایک مخلص مسلمان کا اندازِ فکر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ایمان کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے، اور ان ذرائع کا انتہائی شکرگزار ہوتا ہے جن سے یہ نعمتِ بے بہا اسے ملتی ہے۔ مگر ان نمائشی "مسلمانوں" کا حال یہ تھا کہ وہ الٹا مسلمانوں ہی پر احسان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے مسلمان ہو کر آپ کی جماعت کو تقویت دی ہے اور اس کی تعداد بڑھا دی ہے۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا - (سورہ حجرات ۱۷)

"منافق تم پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں"

حالانکہ اگر یہ واقعی مسلمان اور نعمتِ ایمانی کے قدر شناس ہوتے تو الٹے خود رسولؐ کے احسان مند ہوتے۔

پھر اسی اندازِ فکر کا نتیجہ تھا کہ مقدم الذکر منافقوں کی طرح یہ لوگ بھی اندر اندر مسلمانوں کے سخت بدخواہ تھے۔ ان کی خوشحالی انہیں کبھی ایک آنکھ نہ بھاتی۔ انہیں مسلسل آگے بڑھتے دیکھ کر ان کے کلیجوں پر سانپ لوٹنے لگتے، اور دن رات اس تمنا میں رہتے کہ کاش انقلابِ روزگار کا کوئی جھونکا آئے اور ان مسلمانوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے، تاکہ ہم ان کی قاہرانہ گرفت کے خطرات سے بے خوف ہو کر آزادی کا سانس لے سکیں۔ قرآن میں ان منافقوں کی اس باطنی کیفیت کا کئی جگہ ذکر ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے:۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ
يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ
قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ الخ ......

(توبہ۔۵۰۔۵۲)

"اگر تمہیں کوئی بھلائی نصیب ہوتی ہے تو ان (منافقوں) کو جلن ہوتی ہے اور اگر تم (کبھی) مبتلائے مصیبت ہوتے ہو تو (کوئی جماعتی ہمدردی تو خاک نہیں ہوتی بلکہ الٹا یہ) کہنے لگتے ہیں کہ (اسی خیال سے) ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا معاملہ (ٹھیک ٹھاک) کر لیا تھا۔ پھر اٹھتے ہیں اور خوش خوش چلے جاتے ہیں .... اے پیغمبرؐ! (ان کور بصروں سے)

کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں ہی میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے ہو ..... الخ"

"دو بھلائیوں ہی میں سے کسی ایک کے انتظار کرنے" کا مطلب ان منافقوں کا یہ انتظار تھا کہ دیکھیں مسلمان لڑائیوں میں فتحیاب ہوتے ہیں یا شکست کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ ان منافقوں کو سمجھا دو کہ ہمارے لئے تو فتح میں بھی بھلائی ہے اور شکست میں بھی۔ کسی صورت میں بھی ہم فلاح و سعادت سے محروم نہیں ہو سکتے۔ اگر مارے گئے تو شہادت کی ابدی زندگی نصیب ہوگی، جو خوش بختی کی آخری معراج ہے۔ اگر مظفر و منصور لوٹے تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے، جس سے آگے شرف و مجد کا کوئی مقام نہیں۔ پھر ہمیں غم کاہے کا؟ تم ہمارے حق میں جس چیز کی بھی تمنا رکھو وہی ہمارے لئے باعثِ سعادت ہے۔ غم ہو تو تمہیں ہو کہ تمہارے لئے ہر طرف ہلاکت اور بدبختی کی آگ تیار ہے۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۔

"اور ہم منتظر ہیں کہ اللہ تمہیں عذاب پہنچائے اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے" (التوبہ۔۵۲)

انتظار کرنے کو تو یہ اربابِ نفاق مسلمانوں کے حق میں فتح و شکست دونوں ہی کا کرتے تھے کہ دیکھیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن کفر کا غلبہ ہی کر تو فر دیکھ کر انہیں گمان غالب یہی ہوتا تھا کہ مسلمان ہی لڑائی میں ہاریں گے۔ اور اسی

خوف تھا کہ مبادا اس ہار کے تلخ نتائج انہیں بھی بھگتنے پڑیں، وہ جہاد کی منادی سن کر مختلف حیلوں بہانوں سے گھر بیٹھ رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا۔ (فتح ۔۱۱-۱۲)

"اے پیغمبر! (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ جانے والے بدوی (اب جب کہ تم زندہ و سلامت واپس آگئے ہو) تم سے کہیں گے کہ (افسوس ہم بوجہ مجبوری نہ جاسکے) ہمیں ہمارے اموال اور ہمارے اہل و عیال نے پھنسا رکھا تھا۔ سو ہمارے لئے خدا کے حضور میں مغفرت کی دعا فرمایئے یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو در اصل ان کے دلوں میں نہیں (ان نابکاروں سے کہہ دو کہ (غلط کہتے ہو) بلکہ (تم مارے ڈر کے پیچھے رہے) تمہارا گمان تھا کہ پیغمبر اور مسلمان (اس لڑائی میں ہلاک ہو جائیں گے اور) اپنے اہل و عیال میں کبھی لوٹ کر نہیں آنے کے۔"

قرآن کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق وہ اس کا صرف گمان غالب ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ دل میں دعائیں بھی کرتے رہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ میدان جنگ میں کھیت ہو رہے ہیں اور ہمارے سر سے بلا ٹلے۔ سورۂ توبہ میں ہے:۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ (توبہ-۹۸)

"اور اکثر دیہاتی ایسے ہیں جو (اگرچہ زبان سے بظاہر ایمان لا چکے ہیں لیکن) راہ خدا میں خرچ کرنے کو مفت کا تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں کے حق میں آسمانی گردشوں کے منتظر ہیں۔"

انہیں اپنی اس آرزو کے پوری ہونے کی کتنی فکر تھی، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ وہ نصرت ملّی سے صرف اپنا ہی ہاتھ روک لینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے، تاکہ امداد کے تمام دروازے بند ہو جائیں، اور مسلمانوں کو ہر طرح سے کمزور اور بے یار و مددگار کر دیا جائے۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا۔ (منافقون-۷)

"یہی لوگ (یعنی یہی منافق) تو ہیں جو لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ رسول خدا کے ساتھیوں پر کچھ مت خرچ کرو، یہاں تک کہ (آخر کار اس طرح افلاس سے تنگ ہو کر (خود ہی) ادھر ادھر منتشر ہو جائیں۔"

اسی طرح اسلام کی خاطر جانی قربانیاں دینے سے بھی یہ لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کرتے بلکہ بعض اوقات تو اس غرض کے لئے انتہائی خطرناک نفسیاتی چالیں چلتے، یعنی شروع میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر میدان جہاد میں جاتے اور جب جنگ کی آگ بھڑک چکتی تو آہستہ سے خود بھی پیچھے کھسک جاتے اور دوسروں کو بھی بھاگ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے، تاکہ مسلمانوں کی ہمتیں چھوٹ جائیں اور دشمن کے حوصلے بڑھ کر

انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیں۔ غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب، غزوۂ تبوک وغیرہ میں اس شیطنت کا پورا پورا مظاہرہ ہوا تھا۔ تبوک کے سلسلے میں قرآن کہتا ہے کہ :۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ۔ (توبہ - ۸۱)

"جو لوگ (اپنے اصرار پر لڑائی سے) پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف لڑائی سے بیٹھ رہنے پر بہت خوش ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کرنے کو انہوں نے گراں محسوس کیا اور دوسروں سے بھی کہنے لگے کہ (ایسی بے پناہ گرمی میں) گھر سے نہ نکلنا۔"

(۲) دو رُخے منافق

مفاد پرست منافقوں کا دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو اگر اسلام کے اظہار میں جھوٹے تھے تو کفر سے بھی انہیں اخلاص نہ تھا، بلکہ "نجیب الطرفین" منافق تھے، یہ وہ لوگ تھے جن کا سو فی صدی معبود ان کا دنیوی مفاد تھا۔ بخلاف پہلے گروہ کے، کہ مفاد پرست اگرچہ وہ بھی تھا، مگر اتنا نہیں کہ اپنے مفاد کے لئے وہ اپنی قوم اور اپنے مذہب کے مفاد کو سرے سے خاطر ہی میں نہ لائے، بلکہ اس کو اپنے قومی اور مذہبی مفاد سے بھی گہری وابستگی تھی، اور اس کی خدمت و بہی خواہی کے کسی موقع کو وہ ہاتھ سے دینا نہیں تھا۔ اس کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ اسلامی اقتدار سے اپنے مفاد کو بچائے جائے۔ مگر یہ دوسرا گروہ مفاد پرستی کی اس درمیانی منزل سے بہت آگے بلکہ اس کی آخری منزل پر تھا۔ اسے اول و آخر بس اپنے مفاد کی فکر

تھی، وہ ہر اس تعلق سے دور رہتا جو اس کے لئے کوئی جانی یا مالی خطرہ پیدا کرنے والا ہو، خواہ وہ تعلق حق کا ہو یا باطل کا۔ یہ ابن الوقت اور موقع پرست لوگوں کا گروہ تھا جن کو حق اور باطل کے جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ جو کچھ غم تھا صرف اپنے شخصی مفاد کا تھا، جس کی خاطر وہ مسلمانوں سے بھی ملے رہنا چاہتے تھے، اور کفار سے بھی، تاکہ معرکۂ کفر و اسلام میں واقعات کا اونٹ جس کروٹ بیٹھے اسی کروٹ یہ بھی بآسانی کھڑے ہوئے نظر آسکیں، اور جب تک یہ معرکہ جاری رہے دونوں فریق سے امن میں رہیں۔ یہی لوگ تھے جن کا یہ آیت تعارف کرا رہی ہے :۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ۔ (النساء - ۹۱)

"کچھ اور لوگ تمہیں ایسے بھی ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔"

یہ لوگ اپنی اس دو رخی پالیسی کو کس طرح نبھاتے تھے، اس کا حال بھی سنیئے :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ

وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا
خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۔

(البقرہ۔ ۸-۱۴)

"اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ "ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے" حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں (محض بربنائے مصلحت یہ کہہ کر) وہ اللہ کو اور ایمان لانے والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ فی الواقع وہ اس طرح خود اپنے ہی کو دھوکا دے رہے ہیں جس کا انہیں شعور نہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اسلام کی مکمل پیروی کرو اور) زمین میں فساد نہ برپا کرو" تو کہتے ہیں کہ "ہم تو اصلاح کے علم بردار ہیں" یاد رکھو! یہی لوگ حقیقی مفسد ہیں (جو یک طرفہ صاف راہ اختیار نہیں کرتے) لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ "(اس دورنگی کو چھوڑ کر) اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح کہ اور مسلمان ایمان لائے ہیں" تو کہتے ہیں کہ "کیا ہم بھی اسی طرح کے مومن بن جائیں جس طرح کے مومن یہ بے وقوف لوگ بنے ہیں؟" لیکن یاد رکھو! واقعی بے وقوف یہی لوگ ہیں مگر وہ اس راز کو بوجھتے نہیں۔ اور جب مسلمانوں سے یہ لوگ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم بھی مومن ہیں" اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یونہی مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں (اور انہیں بے وقوف بناتے ہیں")

یہ جملے ان کے مصلحت پرستانہ اندازِ فکر کی پوری پوری وضاحت پیش کئے دیتے ہیں، خصوصاً یہ جملہ کہ "مگر وہ اس راز کو بوجھتے نہیں" ان کی منافقانہ روش کے

خصوصی انداز پر ایک جامع تبصرہ ہے۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی روش کو واقعی معقول میں بڑی دانشمندانہ روش سمجھتے تھے، وہ اسے "صلح کل" کی پالیسی خیال کرتے تھے جس میں کسی فریق سے بھی الجھنے کا اندیشہ نہ تھا، بلکہ ہر ایک سے نباہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ اپنے "شیطانوں" یعنی اپنی کافر قوم کے لیڈروں سے ملتے تو ان کی طرف سے ان پر اظہارِ ناراضگی ہوتا کہ تم مسلمان ہوئے جا رہے ہو! جس کی صفائی میں انہیں حقیقتِ حال آشکارا کرنی ہوتی اور اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ کہہ کر اس فریق کو بھی مطمئن کرنا پڑتا۔

اب باقی جملوں کو بھی لے کر پوری عبارت پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ یہ لوگ خدا کے قانون کی پیروی اور رسولؐ کی کامل اطاعت کو کس طرح فساد اور نقضِ امن کا سبب سمجھتے تھے۔ قرآنی اوامر و نواہی پر خلوصِ دل کے ساتھ عمل کرنے کو "بے وقوفی" سے تعبیر کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ کیسے احمق اور ناعاقبت اندیش لوگ ہیں جو کھلم کھلا قرآن کی غیر مشروط اطاعت تسلیم کر کے عرب و عجم کی دشمنی مول لیتے اور اپنے عیش و آرام کو برباد کرتے ہیں۔ مصلحتِ وقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر فریق سے نباہتے چلو، ہر ایک سے اپنا مقصد حاصل کرو۔ اگر کفار شکست کھائیں تو مسلمانوں سے دوستی قائم رکھنے کا صلہ ملے گا۔ گیہوں کے ساتھ گھن نہ پسے گا۔ اور اگر اہلِ کفر فتحیاب ہوئے تو ان میں شامل رہنے کا فائدہ حاصل ہوگا۔ یعنی کسی بھی فریق کو جو دنیوی فوائد حاصل ہوں گے، ان میں بہر حال حصہ بٹانے کا موقع ملے گا۔ اور یہ دوسرا نفع حاصل بھی اس طرح ہوگا کہ نہ اپنا ایک حبہ خرچ کرنا پڑے گا اور نہ اپنے پسینے کا ایک قطرہ بہانا پڑے گا۔ دیکھو ہمارا طریقہ کس قدر مصالحانہ اور امن آفریں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مذہب مذہب میں تفریق کیوں ہو؟ ہر مذہب تو خدا ہی سے ملاتا ہے۔

پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت کی کیا وجہ؟ امن اور اصلاح کا راز اسی میں ہے کہ ہر ایک کو برحق قرار دو، اور اس حق و باطل کے جھگڑے میں کسی کے ساتھ شریک نہ ہو۔ بے وقوف ہیں وہ جو اس معاملہ میں "تنگ نظری اور انتہا پسندی" سے کام لیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی افراتفری کی راہ ہے، فساد اور چپقلش کی لبس بھری گانٹھ ہے۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں قرآن مجید ان لوگوں کی عملی حالت کو ایک تمثیل کے پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ
يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ
وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا
أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا (البقرہ۔ ۱۹-۲۰)

"یا ان منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ بارش میں گھر گئے ہوں، جس میں تاریکیاں ہوں، کڑک ہو، چمک ہو، کڑک ایسی سخت کہ موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہوں ——— حالانکہ اللہ نے تو ان کافروں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ بجلی کی چمک ان کی بینائی اُچکے لے رہی ہے، جب ان کے سامنے یہ چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں (دو قدم) چل لیتے ہیں، اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پچھلی تفصیل میں ان منافقین کی تصویر باطن کے جو گوشے کسی قدر تاریکی میں رہ گئے تھے اس تمثیل نے ان سب کو روشنی میں کر دیا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اپنی اس دورنگی کو نباہتے کس طرح تھے؟ اور "مسلمانیت" کے ظاہری دعویٰ کا

حق کس حد تک ادا کرتے تھے؟ قرآن پر ان کا اعتقاد تو تھا نہیں، محض اپنے دنیوی مفاد اور مقاصد کی خاطر زبان سے اپنے ایمان کی منادی کرتے پھرتے تھے۔ اس لئے جہاں تک قرآن کے ہلکے، آسان اور بے ضرر احکام کا تعلق تھا، ان پر بڑی مستعدی اور تن دہی سے عمل کر کے اپنی اسلامیت کا اظہار کرتے۔ لیکن جب سخت احکام کی باری آتی، جب عیش و آرام اور لذاتِ دنیوی کی قربانی کا مطالبہ ہوتا تو یکایک سارا جوش ایمانی سَرد پڑ جاتا، دہشت اور حیرانی کی تاریکیوں میں گھر جاتے اور موت کی سی غشی طاری ہونے لگتی۔ رب العالمین کے احکام، جو دوسروں کے حق میں بارانِ رحمت تھے، وہ ان بدنصیبوں کے حق میں بجلی کے جاں ستاں کڑکے بن گئے تھے، کہ سنتے اور موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے، گویا ان منافقین کا مرکزی وصف یہ تھا کہ احکام کی تعمیل ان پر سخت شاق گذرتی تھی، اور خدا کی شریعت ان کے لئے رحمت و نعمت ہونے کے بجائے الٹی مصیبت اور زحمت بن گئی تھی۔ انہوں نے اپنے مادی مفاد کی حفاظت ہی کے لئے تو یہ "دانشمندانہ" دورُخی پالیسی اختیار کی تھی، اب اگر اسلامی احکام اسی مفاد کو قربان کر دینے کا مطالبہ کریں تو اس مطالبے کا تسلیم کرنا کیونکر ممکن تھا!

جہاد کا میدان قوتِ ایمانی کی سب سے کڑی آزمائش گاہ ہے، جہاں منافق کے لئے اپنے رنگِ باطن کا چھپانا یکسر ناممکن ہو جاتا ہے۔ منافقین کا یہ گروہ دوسرے منافقوں کے مقابلہ میں اور مواقع پر تو اپنے آپ کو چھپانے میں کچھ نہ کچھ ضرور کامیاب ہو جایا کرتا تھا، لیکن جب خدائی احکام ان کی جانوں کا مطالبہ کرتے تو وہ وقت اس کے لئے بڑا سخت ہوتا۔ جس جان و مال کے عشق میں اس نے دین اور حق اور اپنے ضمیر

کو بچا پاتا اگر اسی کی نذر مانگی جائے تو وہ اس کو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ یہاں پہنچ کر ان دانشمندوں کے بھی ادعائے ایمان کا راز فاش ہو کر ہی رہتا۔ یہ لوگ اپنی باطنی حالت کو چھپانے کے لئے ہزار جتن کرتے، مگر دلوں کا بھید جاننے والا خدا بار بار جنگ کا حکم دے کر حتی کہ بعض اوقات مسلمانوں کی جماعت کو ہنگامی شکستیں کھلا کر بھی، ایسے تمام فریب کاروں کی اصل تصویر کو بالکل عریاں کر دینے اور انہیں مسلمانوں سے الگ نمایاں کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ چنانچہ جب کبھی حکم قتال نازل ہوتا یہ منافق کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ضرور ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے، اور جب مسلمان لڑ کر واپس آتے تو یہ لوگ اپنی عدم شرکت کے لئے معذرتیں پیش کرتے، اور قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص باطن کا یقین دلانے کی سعی کرتے۔ غزوۂ اُحد کے سلسلے میں ان عیاروں اور دنیا کے پرستاروں نے منافقت کا جو پارٹ ادا کیا، قرآن اس کا تذکرہ ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا۔ (آل عمران - ۱۶۶-۱۶۸)

"دونوں جماعتوں کی (یعنی مسلمانوں اور کافروں کی) مڈبھیڑ کے دن (میدان اُحد میں) تمہیں جو کچھ ہزیمت اٹھانی پڑی وہ اللہ کے حکم کے مطابق تھی، اور اس

غرض سے تھی کہ (ہم تمہیں آزمائیں) اور معلوم کر لیں (یعنی دنیا پر ظاہر کر دیں) کہ کون سے لوگ (واقعی) مومن ہیں اور کون سے ایسے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے (چنانچہ اس دن) منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا (کم از کم دشمنوں سے) مدافعت ہی کرو، (تو یہ سن کر) کہنے لگے "کہ اگر ہم سمجھتے کہ آج لڑائی ہوگی تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے" یہ لوگ اس وقت ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے بھید خوب جانتا ہے (یہی وہ لوگ ہیں) جو خود بیٹھے رہے اور اب میدان جہاد میں شہید ہو جانے والوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔"

دیکھا آپ نے نفاق حیلہ تراشی میں کتنا دیدہ دلیر ہوتا ہے؟ دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ سامنے خیمہ ڈالے پڑا ہے، اور ادھر سے جواب دیا جاتا ہے کہ لڑائی بھلا لڑائی تو ہونے کی نہیں، اس لئے ہم خواہ مخواہ دوڑ بھاگ کیوں کریں؟ اور جب اللہ کے مخلص جاں نثار اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئے تو ہمدردانہ فرمایا جاتا ہے کہ اگر ہماری تدبیر پر عمل کرتے تو کیوں دنیا کی لذتوں سے ہاتھ دھوتے؟ گویا خود تو خود، دوسرے انسانوں کے متعلق بھی یہ بندگان نفس یہ تصور کرنے سے قاصر تھے کہ حق اور ایمان کی خاطر دنیائے دنی کو قربان کر دینا بھی دانائی کا کام اور فائدے کی بات ہے۔

ان سے اسی بزدلانہ اور مادہ پرستانہ نقطۂ نگاہ کا نتیجہ تھا کہ جب سچے مسلمان، بے سرو سامانی کے عالم میں، دشمن کی کثرت اور اپنی قلت تعداد کا لحاظ کئے بغیر،

رسول کی دعوتِ جہاد پر آحاضر ہوتے تو یہ لوگ ان کی "کوتاہ اندیشی" کا ماتم کرتے، اور کہتے کہ انہیں ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ (انفال - ۴۹) ان پر عقیدت کا جن سوار ہے، یہ مذہبی مجنون ہیں، جو کچھ نہیں دیکھتے کہ انجام کیا ہوگا۔ گویا ان کے خیال میں اگر اس دنیا کے اندر کوئی راہ اختیار کرنے کی ہے تو صرف اس لئے کہ وہ مادی منفعتیں بخشتی ہے، اور اگر کوئی راہ چھوڑ دینے کی ہے تو محض اس لئے کہ اس میں جان و مال کا زیاں ہے۔ اسی ذہنیت کی ایک اور تصویر ملاحظہ ہو۔

وَإِنَّ مِنكُمْ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ (نساء - ۷۲-۷۳)

"اور بالیقین تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (جہاد کی منادی سن کر) ضرور بیٹھ رہیں گے۔ اگر تم وہاں کسی مصیبت میں پھنس گئے تو کہیں گے کہ خدا نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا کہ ہم ان (مسلمانوں) کے ہمراہ نہ تھے (ورنہ ہم بھی پس گئے ہوتے) اور اگر تمہیں خدا کی طرف سے کوئی فضل حاصل ہوا تو (ان کا دل دکھ جائے گا اور) کہیں گے اس انداز میں کہ گویا تمہارے اور ان کے درمیان کبھی کوئی یگانگت تھی ہی نہیں، کہ "ہائے کاش ہم بھی ان (مسلمانوں) کے ساتھ ہوتے، کہ بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتے (یعنی ہمیں بھی مال غنیمت ملتا)"۔

جیسا کہ تمثیل بالا میں ذکر ہو چکا ہے، یہ ابن الوقت اس وقت تو سراپا ایمان بن

جاتے ہیں جب احکام ہلکے اور بے ضرر ہوتے ہیں خصوصاً اس وقت جب ہاتھ سے کچھ کھونے کے بجائے کچھ حاصل ہونے کی توقع ہوتی لیکن جہاں سخت احکام آتے اور ان کے دنیوی مفاد کو خطرہ لاحق ہوتا تو صاف کترا جاتے ان کو اس سے بحث نہیں تھی کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا برسرِ حق ہے یا طاغوت کی راہ میں لڑنے والا انہیں اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ ظلم اور فساد کی بیخ کنی کرنا اور خدا کی زمین میں عدل و صلاح کی تحم ریزی کرنا بھی کوئی انسانی فریضہ ہے۔ وہ معاملات کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے ہی نہ تھے۔ ان کی شریعت کا فتویٰ یہ تھا کہ لڑائی اس حیثیت سے تم پر نرض ہے کہ اس میں مال غنیمت ہاتھ آتا ہے لیکن اس پہلو سے قطعاً حرام ہے کہ اس میں جان دینی پڑتی ہے۔ یہی بات مذکورہ بالا آیات میں بیان ہوئی ہے اور اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے :-

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ۔ (توبہ - ۴۲)

"اگر فوری فائدہ ہوتا اور سفر بھی (دراز اور صبر آزما ہونے کے بجائے متوسط قسم کا ہوتا تو یہ منافق ضرور تمہارے ساتھ دیتے لیکن اس وقت (تبوک کی) مسافت انہیں بہت طویل اور دشوار معلوم ہوئی (اس لئے وہ چپ سادھ کر بیٹھ رہے) اور جب تم لوٹنے کے بعد اس کی وجہ پوچھو گے تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے لئے ممکن ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ہوتے"

مسلمانوں کے ساتھ اور احکام قرآنی کے ساتھ ان کے نفاق کا عالم تو یہ تھا۔

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے کہ کفار، خصوصاً ائمۃ الکفر کا ان کی نگاہ میں کیا مقام تھا اور ان کے ساتھ ان کی منافقانہ پالیسی کا کیا حال تھا؟ تو جہاں تک ان اعدائے اسلام سے عام تعلق کا سوال ہے، وہ قریب قریب ایسا ہی تھا جیسا کہ مسلمانوں سے تھا، وہ جس طرح مسلمانوں کے مادی اقتدار کو اہمیت دیتے تھے اسی طرح ان کے مخالفین کے سامنے بھی سر نیاز خم کرنا ضروری سمجھتے تھے اور ان کی بارگاہ میں رسوخ کے جویا تھے۔ جس کے نتیجہ میں ان کے متعلق پیغمبر کو حکم ہوا کہ:-

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ ۔ (نساء ۱۳۹)

"اے پیغمبر ان منافقوں کو بشارت سنا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے، یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ کافروں کے ہاں عزت چاہتے ہیں؟"

دوسری جگہ آتا ہے کہ مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ وغیرہ معاندین حق سے کسی طرح کا قلبی ربط و ضبط رکھے۔ لیکن یہ منافق کیا کرتے ہیں؟

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ ۔ (مائدہ-۵۱)

"سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے، کفار کے ہاں بڑی آمد و رفت رکھتے ہیں۔"

اب رہا ان کی اس منافقانہ پالیسی کا حال، جو وہ مخالفین اسلام کے ساتھ اختیار

کئے ہوئے تھے، تو اس کی مجمل نشان دہی قرآن کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:-

.... قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۔ (محمد-۲۶)

"..... جو لوگ خدا کے نازل کئے ہوئے (قرآن) کو ناپسند کرتے ہیں (مثلاً یہود) یہ منافق ان سے کہتے ہیں کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا ہی کہا مانیں گے۔"

اس اجمال کی وضاحت ذیل کے الفاظ میں ہے:-

يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۔ (حشر-۱۱)

"یہ منافق اپنے بھائیوں یعنی منکر اسلام اہل کتاب سے کہتے ہیں کہ اگر تم (مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے وطن سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمہارے سلسلے میں کسی کا کہا نہ مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم (مسلمانوں کے خلاف) ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

یہ تو مخالفین اسلام کے ساتھ ان کا "قول" تھا۔ اب اس قول کی فعلی حقیقت بھی قرآن ہی کی زبان سے سنئے:-

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۔ (حشر-۱۲)

"اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر اہل کتاب جلا وطن کئے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہ نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ (جھوٹے مدعی) ان کی مدد نہ کریں گے اور (بالفرض) اگر مدد کے لئے آئیں گے بھی تو (جم کر نہ لڑ سکیں گے اور موت کی صورت دیکھ کر) بھاگ کھڑے ہوں گے۔"

غرض جو سلوک ان کا اہل ایمان کے ساتھ تھا بعینہٖ وہی اہل کفر کے ساتھ بھی تھا۔ یہ در اصل نہ ان کے دوست تھے نہ اُن کے، بلکہ صرف اپنے نفس کے دوست تھے، اور اس کی خاطر مسلم و کافر دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے، تاکہ موقع پر ہر ایک سے حق دوستی حاصل کریں، اور جب کچھ نقصان اٹھانے کا موقع ہو تو اس سے پوری طرح محفوظ رہیں:۔

اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ وَاِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ...... مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ۔ (نساء ۔ ۱۴۱-۱۴۳)

"یہ منافق تمہارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں، اگر تم (مسلمان) بحکم خداوندی جیت گئے تو تم سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ (لاؤ ہمیں بھی مال غنیمت دو) اور اگر کافروں کو فتح نصیب ہوئی تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے، لیکن پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں بچایا؟ (پس جو کچھ لڑائی میں ملا ہے ہمارا حصہ بھی لگاؤ) .... درمیان ہی میں متردد کھڑے ہیں، نہ تو ان کی طرف ہیں نہ اُن کی۔"

اور فی الحقیقت یہی دو رنگی کا کمال بھی ہے۔ اس کمال میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

دو رُخی پالیسی کا نباہنا بہت کچھ طلاقتِ لسانی پر موقوف ہوتا ہے، قرآن کہتا ہے کہ وہ اس فن کے بڑے ماہر ہیں:۔

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ۔ (منافقون ۔ ۴)

"اور جب تم انہیں دیکھتے ہو تو ان کے اجسام تمہاری نگاہوں میں کُھب جاتے ہیں اور اگر وہ تم سے بات کریں تو بس ان کی باتیں سنتے ہی رہو۔"

۳۔ حقوق مسلمین کے شکاری

مفاد پرستوں میں تیسرا گروہ ان منافقوں کا تھا جو اگرچہ ایمان کی رمق سے بھی نا آشنا تھا، مگر مسلمان ہونے کے جو مادی فوائد حاصل ہو رہے تھے، انہوں نے انہیں "الا اللہ" کا نعرہ لگانے کے لئے بے قرار کر دیا تھا۔ گویا مفاد دنیوی کی پرستاری میں تو وہ پہلے دونوں گروہوں کا ہی ہم مشرب تھا، مگر فرق یہ تھا کہ ان کی مفاد پرستی منفی نوعیت کی تھی اور اس گروہ کی مثبت نوعیت کی تھی۔ انہیں مسلمان بن کر کفر و اسلام کی کش مکش سے اپنے کچھ مفادات بچانے تھے، اور اسے اسلام کا بہروپ بھر کر کچھ مفاد حاصل کرنے تھے۔ یعنی اس کے نفاق کا اصل محرک ان اموالِ غنیمت میں حصہ دار بننے کا لالچ تھا جو اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات میں مسلمانوں کے ہاتھ آ رہے تھے[۱]۔ اس طرح "باحوصلہ" اور "باحیا" ہونے میں وہ قدرتی طور پر اپنے ان ساتھیوں سے کہیں آگے تھا۔ اگر وہ

---

[۱] قدرتاً منافقوں کا یہ گروہ اس وقت پیدا ہوا ہوگا جب مسلمان ہونے کے معنی صرف مفاد کی قربانیوں کے نہ تھے، بلکہ مال غنیمت پانے کے بھی تھے۔

دعوتِ جہاد سُن کر حیلوں بہانوں کی تلاش میں لگ جاتے تو اس بہادر گروہ کو یہ سکون بھی میسر نہ ہوتا کہ اطمینان سے بیٹھ کر کوئی عذر تصنیف کر لے، منادی کی پکار سنتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور خود تو خود دوسروں کو بھی نصیحت فرماتا کہ بھاگ آؤ اور گھروں میں چھپ جاؤ۔ البتہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت وہ سب سے پیش پیش ہوتا۔ اس کی بے مثال بزدلی اور دولت پرستی کا اندازہ قرآن کے اس تبصرے سے کیجیے:۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِيْنَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُوْنَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيْلًا أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ تَدُوْرُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ...... يَحْسَبُوْنَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُوْنَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ۔

(احزاب ۔ ۱۸-۲۰)

"اللہ تعالیٰ تم میں سے ان منافقوں کو خوب جانتا ہے جو لوگوں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ "(کہاں جان دینے جاتے ہو) ہماری طرف آؤ" اور وہ (خود بھی) لڑائی میں نہیں جاتے، مگر تھوڑی دیر کے لئے (تاکہ نام ہو جائے) اور جاتے ہوئے (تمہارے زندہ و باقی رہنے کے) بڑے خواہشمند ہوتے ہیں (کیونکہ جنگی خطرات کے سامنے اس طرح تم اُن

کے لئے ایک ڈھال بنے ہو گے) جب خطرہ کا موقع آتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف اس طرح ناچتی ہوئی نگاہوں سے تکتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خطرہ کی گھڑی گذر جاتی ہے تو وہ مالِ غنیمت کے حریص بن کر تمہیں اپنی طرار زبانوں سے کچوکے لگانے لگتے ہیں (کہ جلدی سے ہمارا حصہ لگاؤ) اگرچہ دشمن بھاگ چکا ہے لیکن اب تک یہ بزدل یہی خیال کر رہے ہیں کہ اس کی فوجیں ابھی نہیں گئیں۔ اور اگر یہ فوجیں پھر آ موجود ہوں تو پھر ان پر وہی دہشت طاری ہونے لگے اور) تمنا کریں کہ اے کاش ہم (موقع جنگ سے دور) کہیں دیہات میں ہوتے اور وہیں سے بیٹھے تمہاری خبریں معلوم کیا کرتے۔

معلوم ہوا کہ ان کا سارا "اسلام اور ایمان" محض مال و زر تھا، اور اسی غرض سے وہ "مسلمان" ہوئے تھے۔ ہر اس چیز میں سے ان کو حصہ ملنا چاہیے جو مسلمانوں میں تقسیم ہونے کے لئے ہو، خواہ وہ مالِ غنیمت ہو خواہ صدقہ، کیونکہ وہ بھی "مسلمان" ہیں، بلکہ اسی لئے تو مسلمان بنے ہیں! اب اگر کسی موقع پر ان کا حصہ نہ لگے تو یہ منّد ان کے برداشت کرنے کا کیسے ہو سکتا ہے اور وہ اس وقت اللہ اور اس کے رسول سے بھی برافروختہ کیوں نہ ہو جائیں! چنانچہ وہ ایسے موقعوں پر برافروختہ ہوئے اور خوب ہوئے:۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۔ (توبہ ۔ ۵۸)

"اور ان منافقین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں تم پر (ناانصافی اور جانبداری کے) اشارے کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے (حسبِ خواہش)

انہیں دیا جائے تو خوش رہتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو بگڑ بیٹھتے ہیں ۔"

اس زرپرستانہ "اسلامیت" کا قدرتی نتیجہ تھا کہ جب مسلح دشمنوں کا سامنا ہوتا تو یہ اپنی خلوت گاہوں میں جا چھپتے، اور جب لڑائی کی مشقتیں محض غنائم حاصل کرنے ہی تک محدود رہتیں تو یہ شیرِ نر گرجتے ہوئے گھروں سے نکل آتے۔ بلکہ سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سیاست کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ کیونکہ اموالِ غنیمت ان لوگوں کا حق ہیں جو واقعی مجاہد ہوں، یعنی جو پہلے اللہ کے دین کی خاطر خود اپنا مال قربان کر چکے اور اپنی نقد جان نثار کرنے کے لئے پیش کر چکے ہوں۔ اور یہ لوگ چونکہ اپنے اعمال نامے میں اس طرح کی کوئی شہادت نہیں رکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پر ان کے بارے میں صاف حکم دے دیا کہ ایسے بے ایمانوں کو ہرگز ساتھ نہ لے جاؤ جو کل مصیبت کی گھڑیوں میں عافیت کے گوشوں کے اندر چھپے بیٹھے تھے اور اب ایمان کی تلوار بنے میدانِ جنگ کے لئے بے چین ہو رہے ہیں، محض اس خیال سے کہ اس وقت ہاتھ سے دینا کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے لینا ہی ہے۔ چنانچہ سفر حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے متعلق غزوۂ خیبر کے قریب وحی الٰہی آتی ہے کہ :-

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا
ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا
كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ - (فتح - ۱۵)

"جو لوگ (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے جب تم (خیبر کی) غنائم حاصل کرنے جاؤ گے تو وہ تم سے کہیں گے "کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو" وہ چاہیں گے کہ حکم

الٰہی کو بدل دیں۔ سو اے پیغمبر! ان سے صاف صاف کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلنے پاؤ گے۔ اللہ کا یہ پہلے ہی سے فیصلہ ہے ۔"

لیکن ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی زرپرست طبیعت پر کس قدر شاق تھی! وہ ایسے تر لقمہ کو منہ سے چھنتے ہوئے دیکھ کر بھلا کیوں کر صبر کر سکتے تھے! چنانچہ قبل اس کے کہ عملاً یہ معاملہ درپیش ہو، اللہ عالم الغیب نے خود ہی کھول کر بتا دیا کہ اس وقت یہ لوگ کیا کہیں گے :-

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا - (فتح - ۱۵)

"تو یہ سن کر) یہ منافق کہیں گے (کہ خدا کا حکم تو خاک نہیں ہے، البتہ تم لوگ حسد رکھتے ہو (کہ جائیں گے تو ہم بھی مال و زر حاصل کر لیں گے)۔"

غور فرمایئے کہ گھوم پھر کر ہر بار ان کی نگاہ کس طرح اپنے اسی واحد نصب العین پر جا کر جمتی ہے۔ شکایت یہ نہیں ہے کہ تم ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب سے روک رہے ہو، بلکہ یہ ہے کہ مال و متاعِ دنیا کی تحصیل میں ہمارے مزاحم کیوں ہو رہے ہو، اور جب ان کا نقطۂ نظر یہ تھا تو وہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ سفر جہاد میں ہمارے شریک نہ کئے جانے کی وجہ اس کے سوا کوئی دوسری بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان ہم سے حسد رکھتے ہیں۔

(۲) جھوٹی مدح و شہرت کے حریص

مفاد پرست اعتقادی منافقوں کا چوتھا عنصر ان لوگوں پر مشتمل تھا جو مفت کی شہرت اور تعریف کے لالچ میں اپنے علمبردار اسلام ہونے کا اظہار کیا کرتے تھے، ایسے لوگ، جیسا کہ نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے، تقریباً ہر سوسائٹی میں ضرور

موجود ہوا کرتے ہیں، جن کو بس نمودِ ذات کی بھوک ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہر قابلِ ستائش کارنامے کا کریڈٹ حاصل کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصود سمجھتے ہیں۔ دعوتِ اسلامی کے دورِ عروج میں اس کے شاندار کارناموں کا کریڈٹ ایسا نہ تھا کہ اس ذہنیت کے لوگ اس کے حصول میں بے چین نہ ہوتے پس ایسے لوگوں کا ظہور ایک قدرتی بات تھی۔ یہ ظہور غالباً اس وقت ہوا ہے جب اسلامی شوکت، عرب کے افقِ سیاست پر قابلِ لحاظ حد تک غالب ہو چکی تھی، اور مسلمان اپنی جاں فروشی کی بدولت تیزی سے اپنی تاریخ میں شاندار اور معجز نما کارناموں کا اضافہ کرتے جا رہے تھے۔ اس وقت جس طرح بہتوں نے روپیہ پیسہ کے لالچ میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے میں مصلحت دیکھی، اسی طرح کتنے ہی حوصلہ مند ایسے بھی تھے جنہوں نے پانچوں سواروں میں نام لکھا لینا ہی اپنا مطمحِ نظر قرار دے لیا تھا۔ لیکن اسلام کے نام پر کسی طرح کی قربانی نہ دینا بہر حال ان کے یہاں بھی ایک طے شدہ چیز تھی۔ وہ مجاہدِ قوم اور شہیدِ ملت کہلانا تو چاہتے تھے، لیکن اس کی خاطر اپنی انگلی بھی کٹانے کے لئے تیار نہ تھے، بلکہ دوسروں کا خون لگا لینا ہی کافی سمجھتے تھے۔ حسبِ ذیل آیت ایسے ہی مجاہدوں سے کچھ کہہ رہی ہے:۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

(آلِ عمران - ۱۸۸)

"اور جو لوگ اپنے (منافقانہ) کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف ہو، ایسے لوگوں کے بارے میں تم ہرگز یہ مت خیال کرنا کہ وہ عذاب کی زد سے باہر ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

قسمِ سوم

شک و ریب میں مبتلا عملی منافقین

اعتقادی منافقین کے بعد عملی منافقین کا نمبر آتا ہے۔ ان منافقوں میں بدتر گروہ کو پہلے لیجئے، یعنی اس گروہ کو جس کی منافقت کا مرض کم یقینی کا پیدا کیا ہوا تھا، جو بقول شاہ ولی اللہؒ اپنے دوستوں، ساتھیوں اور خاندان والوں کی دیکھا دیکھی ملتِ اسلامیہ میں آ داخل ہوا تھا[1]، اور خود شرحِ صدر کی نعمت سے محروم تھا۔ اسے توحید پر وہ جزم نہ تھا جو ہونا چاہیئے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر وہ اطمینان نہ تھا جس کے بغیر ایمان، ایمان نہیں۔ اگرچہ وہ کفر کے مقابلہ میں اسلام سے قریب تر تھا مگر اس کے باوجود توحید اور شرک کے بیچ میں معلق ہی تھا۔ یہ لوگ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار بھی کرتے تھے اور اللہ کی عبادت بھی، مگر ہنوز ان کے دلوں سے اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی عظمت کے پرانے نقوش محو نہ ہوئے تھے۔ ان کی عام زندگی کی سطح پر اسلام کی

---

[1] جو لوگ عام انسانی نفسیات کے ساتھ ہی ساتھ عربوں کی مخصوص قبائل پرستانہ نفسیات سے بھی واقف ہیں ان پر یہ راز مخفی نہیں رہ سکتا کہ کتنے ہی عرب محض اس لئے ملتِ اسلامی میں آ داخل ہوئے ہوں گے کہ ان کے قبیلے کے ہر دل عزیز لوگ مسلمان ہو چکے ہیں یا یہ کہ ان کے ہم قبیلہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ تاریخ میں اس حقیقت کی مثالیں موجود ہیں۔ قریب تھا کہ ابو طالب بھی اسی قسم کے محرکات کی بنا پر مسلمان ہو جاتے، مگر بعض اسباب نے ایسا نہ کرنے دیا لیکن اس کے باوجود یہ قبائلی عصبیت ہی کا کرشمہ تھا کہ عمر بھر اہلِ کفر کے مقابلہ میں اہلِ اسلام کی اعانت کرتے رہے۔

رنگت ضرور تھی، مگر بعض خاص حالات میں یہ رنگت اُڑ بھی جاتی۔ مثلاً مصائب کے وقت خدا کے بجائے غیر اللہ کے آستانوں پر اپنی التجائیں پیش کرنے لگتے، کیونکہ ان سے ان کو حاجت روائی کی توقع ہوتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے حق میں قرآن کہتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (الحج-۱۱-۱۲)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے تو ہیں مگر بس حاشیے پر کھڑے ہو کر، یعنی اس طرح کہ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچا تب تو مطمئن رہے اور اگر کوئی مصیبت آپڑی تو الٹے منہ پھر گئے۔ دنیا اور آخرت دونوں سے گئے اسی کا نام کھلا نقصان ہے۔ یہ لوگ (مصیبت کے وقت) خدا کو چھوڑ کر ان سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں جو نہ تو ان کو نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان پہنچانے کی۔ یہی ہے پرلے درجے کی گمراہی"

اگرچہ اس گروہ کے لئے قرآن میں لفظ منافق استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن اس کی جو حالت بیان فرمائی گئی ہے وہ صاف طور سے نفاق کی تعریف میں آجاتی ہے۔ یہ لوگ ایک طرف خدا کا اقرار اور اس کی عبادت کرتے تھے اور دوسری طرف غیر خدا کو حاجت روا بھی بناتے تھے۔ یہ ایک راستہ سے اسلام میں داخل ہونا، اور

دوسرے سے نکل جانا، نہیں تو اور کیا ہے؟ اگرچہ یہ داخل ہونا اور نکل جانا، اس انتہائی معنی میں نہیں جس معنی میں کہ اعتقادی منافقوں کا داخل ہونا اور نکل جانا تھا، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو بطور اپنے دین کے منتخب کر لیا تھا اور جو ملتِ کفر کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ملتِ اسلام سے وابستہ سمجھتے تھے اور ان کے جذبات بھی اسلام کے ساتھ تھے، بخلاف اعتقادی منافقین کے کہ ان میں سے اُن کے اندر کوئی بات نہ تھی۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ جس طرح آزمائش کے موقع پر پہلی قسم کے منافق اسلام سے بے تعلق ثابت ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح اگر نہیں تو بڑی حد تک یہ لوگ بھی کچھ الگ ہی سے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ احزاب کی لڑائی میں حالات کی شدت دیکھ کر اصلی منافقوں ہی نے جاہلی انداز فکر کا ثبوت نہیں دیا، بلکہ شک و ریب کے ان مریضوں نے بھی کچھ اسی طرح سوچنا شروع کیا تھا۔ قرآن ان دونوں قسم کے "مسلمانوں" کا بالکل ایک ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۔ (الاحزاب-۱۱)

"جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے نرے دھوکے کا وعدہ کیا تھا"

اور ایسا ہونا بھی چاہیئے، کیونکہ جب دل ایمان کی کم از کم گہرائی سے بھی خالی ہوں تو اللہ اور رسول سے حسن ظن اور مشکلات میں ثابت قدمی کہاں سے میسر ہوسکتی ہے۔

قسم چہارم

مفاد پرست عملی منافقین

یہ منافقین کی آخری قسم ہے، یہ وہ قسم ہے جو نسبتاً اسلام سے زیادہ قریب اور غیر اسلام سے بہت زیادہ دور تھی، یہ ان لوگوں پر مشتمل تھی جن کے عقیدے میں کفر نہیں، بلکہ اسلام ہی اسلام تھا، جو اصولِ دین کو فطری طور سے یقیناً اپنا چکے تھے، جن کے دعوائے ایمان میں دکھاوا نہ تھا، بلکہ جو شک اور تردد کے بھی مریض نہیں کہے جا سکتے۔ لیکن بایں ہمہ ان کو مفاد دنیا کا روگ چمٹا ہوا تھا۔ جو انہیں اقرارِ اسلام کا عملی ثبوت فراہم کرنے نہیں دیتا تھا۔ یہ لوگ اصطلاحی اور سیاسی زبان میں یقیناً مسلمان تھے، مگر ایسے مسلمان، جن کا اسلام عزم کی پختگی اور عمل کی جرأت سے بالکل نا آشنا تھا، جو ان سے ان کے جانی، مالی، اور تمدنی مفادات کی قربانی نہیں لے سکتا تھا۔ ایسے کم ہمت اور ضعیف الایمان لوگوں پر صرف زجر و ملامت ہی نہیں کی گئی ہے، بلکہ بعض اوقات تو انہیں صاف لفظوں میں منافق کہہ کر پکارا گیا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی شان میں قرآن کہتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ
فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا
كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ وَلَيَعْلَمَنَّ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ (عنکبوت ۔۔ ۱۰-۱۱)

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن جب انہیں راہ خدا میں کوئی گزند پہنچتا ہے تو انسانوں کی دی ہوئی تکلیف کو عذاب الٰہی کے مانند (ناقابلِ برداشت اور لائق عذر) تصور کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی مدد آجائے تو یہی لوگ کہنے لگیں گے کہ "ہم تو تمہارے ہی ساتھی تھے" کیا اللہ دنیا جہان کے لوگوں کے (اسرارِ قلوب) سے واقف نہیں؟ یقیناً اللہ انہیں جان کر (یعنی نمایاں کر کے) رہے گا، جو واقعی صاحبِ ایمان ہیں، اور انہیں بھی جو منافق ہیں۔"

واضح رہے کہ یہ آیات سورۂ عنکبوت کی ہیں، جو اس وقت نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کا قافلہ ستم کدۂ مکہ ہی میں جاگزیں تھا اور دشمنانِ الٰہی کے نت نئے مظالم کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ ستم کدے کے اندر اور اس دورِ مظلومیت میں ایسے منافقین کا ظہور کہاں سے ہو سکتا ہے جو کسی غرض اور مصلحت کی بنا پر اظہارِ ایمان کرتے۔ اس وقت تو اسلام سیاسی اور سماجی ہر حیثیت سے مظلوم و مقہور تھا، اس کا نام لینا ہی ہر طرح کی اذیتوں کو دعوت دینا تھا۔ لہٰذا یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہاں ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہو جو عقیدے کے منافق ہوں۔ اسی طرح اس کا بھی کوئی قرینہ نہیں کہ ان آیتوں میں قسم سوم کے منافقوں کا تذکرہ ہو یعنی ان منافقوں کا جو عمل اور اخلاق کے اعتبار سے منافق ہوں اور جن کے نفاق عمل کا سرچشمہ ان کا شک و تردد ہو۔ کیونکہ آگے پیچھے جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں اور اس گروہ کے جو حالات پیش فرمائے گئے ہیں، ان میں ایمان کی بے یقینی کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ صرف ضعف ہمت اور حُبِّ دنیا کا ذکر ہے۔ اس لئے لازماً یہاں ان کچے مسلمانوں

کا ذکر ہے۔ اور ان ہی کو تغلیظاً منافق بھی کہا گیا ہے۔ جو کفار کی وحشیانہ ستم آرائیوں سے بے قرار ہو کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ چونکہ اب ایک عظیم الشان قربانی طلب کا وقت قریب تھا (یعنی ہجرت کا) اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابھی سے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی، اور اشاروں اشاروں میں اس کے لئے کمریں کس لینے کی فہمائش کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ یہاں آخری آیت میں جس آزمائش کی طرف اشارہ ہے وہ اسی ہجرت ہی کی آزمائش ہے، جو چند دنوں بعد ہی مسلمانوں کو پیش آئی۔ یہ آزمائش بھی جان اور مال کی قربانیوں کی طرح نہایت ہی سخت ہے، جس میں اچھے اچھوں کی ہمتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب ہجرت کا صریح حکم آ گیا تو ضعیف الایمان گروہ کے قدم پھسل گئے اور وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مکہ ہی میں رہ گیا۔ یہ لوگ اگرچہ خدا کو ایک، اور رسول کو برحق مانتے تھے، قرآن کی تلاوت بھی کرتے تھے۔ اور نماز بھی پڑھتے تھے اور اس لحاظ سے ملت اسلامیہ ہی میں شامل تھے، مگر چونکہ ان کا ایمان ایسا نہ تھا کہ خدا کی محبت پر اپنے گھر بار اور اہل و عیال اور مال ۔ وہ وطن کی محبت کو قربان کر دیتے، اور اسلام سے ان کا تعلق ایسا مضبوط نہ تھا کہ جس وطن میں ان کو مسلمانہ زندگی بسر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اسے حکم الٰہی آ جانے کے بعد چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور ہر اس جگہ جانے کے لئے تیار ہو جاتے جہاں وہ مسلمانہ زندگی بسر کر سکیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سچے مسلمانوں سے الگ کر دیا۔ ان کے اخلاقی درجہ اور قانونی حقوق دونوں کو اصلی مسلمانوں سے الگ کر کے رکھ دیا:۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ

حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۔ (انفال-۷۲)

"اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی ان کی ولایت سے تمہیں کوئی سروکار نہیں جب تک کہ وہ (بھی تمہاری طرح) ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملہ میں وہ لوگ (کفار کے خلاف) تم سے مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے، بشرطیکہ اس گروہ سے جس کے خلاف وہ تم سے مدد طلب کریں پہلے سے تمہارا کوئی معاہدہ نہ ہو"

غور فرمائیے! یہاں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اندازِ بیان سے ان ضعفاء کے خلاف وہ ناگواری ظاہر نہیں ہو رہی ہے جو کامل منافقوں کے بارے میں عموماً وہ ظاہر کیا کرتا ہے، لیکن وہ صاف طور پر فرق کرتا ہے ان مسلمانوں میں، جو اسلام لانے کے بعد دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اسلام کو عزیز رکھتے ہیں، اور ان مسلمانوں میں، جن کے اندر اتنی اخلاقی طاقت یا اسلام کی اتنی محبت نہیں ہے کہ اس کی خاطر اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اصل ملت اسلامیہ پہلا گروہ ہے، نہ کہ دوسرا۔ وہ حزب اسلامی کی حیثیت سے صرف پہلے گروہ کو خطاب کرتا ہے اور دوسرے گروہ کی حیثیت اس کی نظر میں صرف یہ ہے کہ محض ان کے اقرار اسلام کی وجہ سے وہ حزبِ اسلامی کے ساتھ ان کا ایک گونہ تعلق تسلیم کرتا ہے۔ پھر یہ "ایک گونہ تعلق" بھی کتنا حقیر ہے کہ ایمان لانے کے بعد ہجرت اور جہاد کرنے والے مسلمان تو ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، مگر ہجرت اور جہاد نہ کرنے والے مسلمان اس برادری سے باہر ہیں۔ ان کے ساتھ "ولایت" کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا حق صرف اتنا ہے کہ اگر مسلمان

ہونے کی وجہ سے کفار ان کو ستائیں اور وہ حکومتِ اسلامی سے مدد مانگیں تو اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ ان کی مدد کرے۔ لیکن اگر کفار سے اسلامی حکومت کا پہلے سے نہ لڑنے کا کوئی معاہدہ موجود ہو تو اس صورت میں وہ اپنے ان نام نہاد مسلمان بھائیوں کی یہ مدد بھی نہ کرے گی۔ کیونکہ جو مسلمان اپنے ایمان پر وطن اور قبیلہ کی محبت کو قربان نہیں کر سکتے وہ اتنی قیمت نہیں رکھتے کہ ملّتِ اسلامیہ ان پر سے اپنے معاہدات کو قربان کر دے۔

یہ مفاد پرستی، جس کا منافقینِ عمل و اخلاق کی یہ قسم شکار ہوتی ہے، بسا اوقات وہ کام بھی کرا دیتی ہے جس کے بعد انسان جہنم کا ایندھن بنے بغیر نہیں رہتا۔ قرآن مجید ایک گروہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ (النساء ۹۷)

"ان لوگوں سے، جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں نکالیں کہ وہ کافروں کے خوف سے علانیہ حق پرستی نہ کر کے اور پھر اس کے لئے ترکِ وطن نہ کر کے، اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے، فرشتوں نے پوچھا کہ "تم یہ کس حال میں تھے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ "ہم اپنے وطن میں بے بس تھے" فرشتوں نے کہا "کیا خدا کی زمین تمہارے لئے وسیع نہ تھی کہ تم (حق کی خاطر) اس میں کسی طرف ہجرت کر کے چلے جاتے (اور وہاں آزادانہ خدا کی بندگی کرتے)؟ پس یہ وہ لوگ

ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے"

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ اسلام کا اقرار کر چکے تھے، لیکن کفارِ قریش کے خوف سے اس کا علانیہ اظہار نہیں کرتے تھے مشرک انہیں اپنا ہی آدمی سمجھتے رہے۔ آخر کار جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہیں بھی مجبوراً مشرکوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابل آنا پڑا۔ بعض ان میں سے مارے گئے۔ ہنگامۂ کارزار فرو ہونے کے بعد جب ان کی نعشیں پہچانی گئیں تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے بھائی تھے، صرف کافروں کے مجبور کرنے سے جنگ میں شریک ہوئے تھے، آؤ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کریں اس پر یہ آیت اتری، اور اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ جس مدعیٔ ایمان نے استطاعت رکھتے ہوئے اپنی متاعِ ایمانی کی حفاظت کے لئے وطن کی محبت کو قربان نہ کیا اور جلاوطنی کی مصیبتیں سہنے سے منہ موڑا، حتیٰ کہ اسے کفر کی حمایت میں اسلام کے خلاف تلوار بھی اٹھانی پڑی، اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسے مومن اور مسلم کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔

مکہ میں ایسے لوگوں کی تعداد تو شاید بہت زیادہ نہیں تھی، مگر مدینے میں ایسے نام نہاد مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اگرچہ اسلام کو واقعی اپنا دین سمجھتا تھا، مگر ان کی یہ اسلام نوازی ان کے ذوقِ مفاد پرستی کی تابع فرمان تھی۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ

مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ -

(نساء - ۷۷)

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ (ابھی لڑائی سے) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (یعنی سر دست محض) نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو (سو یہ احکام تو بخوبی ادا کرتے رہے) پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ آدمیوں سے (یعنی دشمنوں سے جو بہرحال انہیں جیسے انسان تھے) اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا خدایا! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ ہمیں تھوڑی مہلت اور کیوں نہ دی؟"

ان آیتوں میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ یہ لوگ قرآنی احکام و نواہی سے بالکلیہ منحرف نہیں تھے، بلکہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی اور ایسے ہی دوسرے احکام کے بجا لانے میں دوسرے مسلمانوں سے کسی طرح کم نہ تھے لیکن جب لڑائی کا وقت آیا تو وہ میدانِ جنگ کے خوفناک مناظر و مصائب کا تصور کر کے کانپ اٹھے اور ایمان کی کمزوری دلوں سے نکل کر چہروں پر جھلکنے لگی، کیونکہ دلوں میں دنیا کا عشق سمایا ہوا تھا، لہٰذا میدانِ جنگ کا نام سنتے ہی ان کے حواس گم ہو گئے، اس لئے کہ وہاں جانے کے بعد تو پوری دنیا ہی کے چھن جانے کا امکان تھا۔ ان کے اسی عشق متاعِ دنیا کو پیشِ نظر رکھ کر آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا دنیا کی متاع تو بہت ہی بے قیمت ہے، آخرت اس سے کہیں بہتر ہے (قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ)[1]

---

[1] کہہ دو کہ دنیا کا سامان قلیل ہے۔ (النساء - ۷۷)

غزوۂ احد کے لئے نفیرِ عام ہوئی تھی، اس لئے چار و ناچار ان سب لوگوں کو لڑائی کے لیئے نکلنا ہی پڑا، جو اپنا شمار مسلمانوں میں کرایا کرتے تھے۔ پھر تھوڑی دور جانے کے بعد بچے (یعنی اعتقادی) منافقوں نے کچھ باتیں بنا کر ساتھ چھوڑ دیا اور واپس چلے آئے، مگر دوسروں کو بہرحال میدانِ کارزار میں اترنا ہی پڑا۔ ان میں عملی منافقین بھی موجود تھے۔ جب تک مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہ بھی اک گونہ مطمئن رہے۔ مگر جب کفار کا پہلو غالب ہونے لگا، اور لشکرِ اسلام میں انتشار برپا ہوا تو یکایک ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے:-

وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا - (آل عمران - ۱۵۴)

"اور ایک گروہ کو بس اپنی جانوں ہی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اللہ کے متعلق نا روا اور جاہلیت کے زمانہ کا سا گمان کر رہے تھے۔ کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ سارا اختیار تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ (محض اتنا ہی نہیں بلکہ) وہ اپنے دلوں میں اور باتیں بھی چھپائے ہوئے ہیں جنہیں صاف صاف ظاہر نہیں کرتے۔ دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو نہ ہم یہاں آتے اور نہ مارے جاتے ...."

اعمالِ نفاق

اہلِ نفاق کی اصولی اور بنیادی قسمیں یہی ہیں، جو بیان ہوئیں۔ قرآن مبین ان تمام اقسامِ منافقین کی ذہنیتوں کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے افکار و اعمال کی ایک طویل فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس فہرست کو اگر "آلۂ نفاق پیما" یا "مقیاس النفاق" کہا جائے تو یہ صرف ایک واقعہ کا اظہار ہوگا، مبالغہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس فہرست میں اعتقادی اور عملی، مفاد پرست اور غیر مفاد پرست، غرض ہر قسم کے، اور ہر قسم میں سے بھی ہر گروہ کے اعمال وصفات کا تذکرہ ہے، اس میں وہ اعمال بھی ہیں جو کسی خاص قسم، یا کسی قسم کے کسی خاص گروہ کے مخصوص اعمال وصفات ہیں، اور وہ اعمال وصفات بھی ہیں جو دو یا دو سے زائد قسموں یا گروہوں میں مشترک ہیں، اور وہ اعمال و اطوار بھی ہیں جو تمام منافقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان اعمال میں سے بعض کا تذکرہ اگرچہ مختلف قسموں اور گروہوں کے تذکرے کے ضمن میں اوپر آ چکا ہے لیکن اعمالِ نفاق

کا ایک بہت ہی قلیل حصہ ہے جو اس طرح بیان ہو سکا ہے۔ یعنی یہ صرف وہ اعمال ہیں جو الگ الگ گروہوں کی مخصوص اور امتیازی صفات ہیں، بلکہ ان کا بھی محض ایک جزو ہیں، جنہیں یا تو بطور مثال بیان کر دیا گیا ہے یا پھر ان مختلف گروہوں کے نمایاں ترین اوصاف کی حیثیت سے۔ باقی اور سارے اعمال و اوصاف جن میں زیادہ تر مشترک اور کچھ مخصوص صفات بھی شامل ہیں، اور جن کی تعداد بہت کافی ہے، ابھی تک بیان نہیں ہو سکے ہیں۔ اس لئے ہم اختصار کے ساتھ ان سارے اعمال کو اکٹھا نمبروار درج کرتے ہیں، تاکہ یہ پورا مرقعِ نفاق بیک وقت نگاہوں کے سامنے آجائے اور اس سے وہ فائدہ پوری آسانی سے حاصل کیا جا سکے جو اس کتاب کا مقصدِ تالیف ہے۔ قرآن اور حدیث میں نفاق کے جو اعمال اور اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) ظاہر اور باطن کا مختلف ہونا

يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ۔ (فتح-۱۱)

"وہ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو نہیں ہے ان کے دلوں میں"

(۲) خود غرض اور موقع پرست ہونا

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ۔ (النساء-۱۴۰)

"جو تمہارے معاملے میں منتظر ہیں، پس اگر تمہیں فتح ہو اللہ کی طرف سے تو کہیں گے، کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟"

(۳) خطرے کے وقت اصول کی پابندی کی حماقت

مشکلات میں راست بازی و دیانت کو بے وقوفی، اور راہ حق میں اظہارِ عزیمت کو ناعاقبت اندیشی سمجھنا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ۔ (البقرہ-۱۳)

"اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ ایمان لاؤ جس طرح (مومن) لوگ ایمان لائے، وہ کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے"

(۴) اسلام اور امت اسلامیہ کے مصائب پر مسرور ہونا اور اس کی ترقی اور خوش حالی کو دیکھ کر جل اٹھنا

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا۔ (آل عمران-۱۲۰)

"اگر ملے تمہیں بھلائی بُری لگے ان کو اور اگر پہنچے تم کو برائی، خوش ہوں اس سے"

(۵) مصالح اسلامی کے خلاف سازشیں کرنا

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ۔ (النساء-۸۱)

"اور کہتے ہیں کہ بسر و چشم قبول کیا پھر جب باہر جاتے ہیں تمہارے پاس سے، تو تمہارے قول کے خلاف مشورہ کرتے ہیں"

(۶) اسلامی سیاسیات سے متعلق اہم امور کو جنہیں اہل حل وعقد کے پاس صیغہ راز میں رکھنا چاہیئے، عوام میں مشہور کر دینا

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۔

(النساء ۔ ۸۳)

"اور جب پہنچتی ہے انہیں کوئی بات امن کی یا خوف کی، تو اسے پھیلا دیتے ہیں"

(۷) ارشاداتِ نبوی اور فرامین الٰہی کے خلاف سرگوشیاں کرنا

ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۔ (مجادلہ ۔ ۸)

"پھر وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی خاطر"

(۸) اہل حق اور اہل باطل دونوں سے فریب کارانہ راہ ورسم رکھنا تاکہ ہر ایک کی مخالفت سے امن حاصل رہے

يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۔ (النساء ۔ ۹۱)

"چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی"

(۹) قوانین اسلام کو (خصوصاً جہاد کو) خلاف مصلحت بلکہ وجہ فساد اور ناقابلِ عمل سمجھنا، اور اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کے وضع کردہ خود غرضانہ طرز عمل کو امن وصلاح کا ضامن سمجھنا

قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۔ (بقرہ ۔ ۱۱)

"کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں"

(۱۰) فتنہ پسند ہونا

كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۔ (النساء ۔ ۹۱)

"جب کبھی فتنے سے دوچار ہوتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں"

(۱۱) اسلام کو آج قبول کرنا اور کل اس سے برگشتہ ہو جانا، محض اس لئے تاکہ عوام کو اسلام سے نفرت پیدا ہو

وَقَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔

(آل عمران ۔ ۷۲)

"اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ مان لو جو کچھ اترا مومنوں پر صبح کے وقت اور انکار کرو شام کو، شاید کہ وہ پھر جائیں۔"

(۱۲) کفار اور دشمنانِ اسلام سے دلی دوستی اور محبت، یا مددگاری ومعاونت کا تعلق رکھنا

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۔

(النساء ۔ ۱۳۹)

"وہ لوگ دوست بناتے ہیں کافروں کو مومنوں کو چھوڑ کر"

(۱۳) اسلام کی محارب اور بدخواہ قوتوں کو علمبردارانِ اسلام کے مقابل امداد دینا یا امداد کا وعدہ کرنا

وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ ۔ (حشر ۔ ۱۱)

"اگر تم سے لڑائی ہوگئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے"

(۱۴) کفار کے ہاں رسوخ اور عزت کا طالب ہونا

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ - (النساء - ۱۳۹)

"کیا ڈھونڈتے ہیں ان (کافروں) کے پاس عزت؟"

(۱۵) اسلامی عدالت کو چھوڑ کر ایسی عدالتوں میں اپنے معاملات لے جانا جو غیر اسلامی قوانین پر فیصلہ کرتی ہوں

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ - (النساء - ۶۰)

"چاہتے ہیں کہ فیصلے کرائیں طاغوت سے"

(۱۶) شریعت کے قانون پر محض اس وقت عمل کرنا جب کہ اپنا فائدہ ہو رہا ہو، اور جہاں یہ اندیشہ ہو کہ شریعت کا فیصلہ ہماری خواہشوں کے خلاف ہو گا وہاں اس سے دور بھاگنا اور صاف لفظوں میں اسے ٹھکرا دینا

وَاِذَا دُعُوْا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ یَّکُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ

(النور - ۴۸ - ۴۹)

"اور جب بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ ان کے درمیان فیصلہ چکائے، تب ان کا ایک گروہ منہ موڑتا ہے اور اگر ان کو کچھ حق ملتا ہو تو فرمانبردار بن کر چلے آتے ہیں"

(۱۷) حق کے واضح ہو جانے کے بعد، اور اسے حق جان لینے کے باوجود غرور اور خود پرستی کی وجہ سے اور جھوٹی عزت کے خیال سے اپنی غلط روش پر جمے رہنا

وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ - (البقرہ - ۲۰۶)

"اور جب کہا جائے اس سے کہ ڈر اللہ سے، تو وقار کا خیال اسے گناہ پر جما دیتا ہے"

(۱۸) اخلاق اور تقوے کے بجائے نسلی اور قومی امتیازات کو وجہِ عزت و ذلت سمجھنا اور انہی امتیازات کا سوال اٹھا کر امت میں نسلی گروہ بندی پیدا کرنا

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ - (منافقون - ۸)

"کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو"

(۱۹) تقویٰ اور مغفرت کو ہیچ، اور اپنے کو ان چیزوں سے بلند و برتر اور بے نیاز سمجھنا

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (منافقون - ۵)

"اور جب کہا جاتا ہے ان سے آؤ کہ بخشش مانگے تمہارے لئے اللہ کا رسول تو اپنا سر مٹکاتے ہیں اور تو دیکھتا ہے انہیں غرور کی حالت میں رکتے ہوئے"

(۲۰) اپنی عقل و فہم کو معیارِ حق سمجھنا اور قرآن کے بیان کردہ حقائق کا مذاق اڑانا، ان پر نکتہ چینی کرنا

وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۔ (المدثر۔۳۲)

"تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہے اور کافر کہ کیا غرض تھی اللہ کی اس مثال سے۔"

(۲۱) نماز اور اذان کا بلکہ تمام شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑانا

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۔ (المائدہ۔۵۸)

"اور جب تم پکارو نماز کے لئے تو وہ اسے ہنسی مذاق بنا لیتے ہیں۔"

(۲۲) اللہ تعالیٰ کو، اس کے رسول کو اور اس کی آیات کو دل لگی کا سامان بنانا

قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۔ (توبہ۔۶۵)

"کہئے، کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے۔"

(۲۳) مالدار مسلمانوں کے مخلصانہ انفاق فی سبیل اللہ پر ریاکاری کا الزام لگانا اور غریب مسلمانوں کے تھوڑے صدقات کی ہنسی اڑانا

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۔ (توبہ۔۷۹)

"وہ جو لوگ طعن کرتے ہیں خوشی سے صدقات دینے والے مومنوں پر جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے، پس ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔"

(۲۴) خدا سے یہ دعا کرنا کہ اگر مجھے تو نے مال دیا تو تیری راہ میں خرچ کرونگا۔ لیکن مالدار ہو جانے کے بعد اس عہد کو فراموش کر دینا اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے بخل کرنا

فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ (توبہ۔۷۶)

"پس جب اللہ نے ان پر فضل کیا، تو اس میں بخل کیا۔"

(۲۵) اگر راہِ خدا میں کبھی خرچ کیا بھی تو قلبی کراہیت اور ناگواری کے ساتھ

وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ۔ (توبہ۔۵۴)

"اور نہیں خرچ کرتے مگر بے دلی سے۔"

(۲۶) راہِ خدا میں صرف کرنے کو مفت کا تاوان اور لاحاصل خرچ سمجھنا

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَمًا ۔ (توبہ۔۹۸)

"اور بعض دیہاتی ہیں جو خرچ کرنے کو چٹی سمجھتے ہیں۔"

(۲۷) دوسرے مالدار مسلمانوں کو غریب کی مدد کرنے سے روکنا تاکہ حزبِ اسلامی میں بالآخر پراگندگی پیدا ہو جائے

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۔ (منافقون۔۷)

"یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو رسول اللہ کے ساتھیوں پر تاکہ وہ بکھر جائیں۔"

(۲۸) مصائب کے وقت توحید سے رشتۂ عقیدت کا ٹوٹ جانا

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ

بِہٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۔ (حج - ۱۱)

"لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو بندگی کرتا ہے کنارے پر۔ پھر اگر پہنچی اسے بھلائی تو مطمئن ہو گیا اور اگر فتنہ میں مبتلا ہوا تو منہ کے بل گر پڑا۔"

(۲۹) لوگوں کو اچھے کاموں سے روکنا اور برائی کی تلقین کرنا

يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (توبہ - ۶۷)

"برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں۔"

(۳۰) معاشرے میں فحش اور بداخلاقی کی ترویج کرنا

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(نور - ۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کا چرچا ہو ایمان لانے والوں میں۔"

(۳۱) شیرازۂ ملت کو مذہبی فرقہ بندیوں کے ذریعہ درہم برہم کرنا

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا ۔

(توبہ - ۱۰۷)

"جنہوں نے اس غرض سے مسجد تیار کی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں، کفر کریں اور تفریق پیدا کریں۔"

(۳۲) گناہ اور برائی میں چھوٹ ہو جانا

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ (مائدہ - ۶۲)

"اور تم دیکھو گے بہت سے ان میں جو گناہ اور زیادتی میں تگ و دو کرتے ہیں۔"

(۳۳) اپنی مطلب برآری کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا

اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ (منافقون - ۲)

"بنایا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال، پھر رک گئے ہیں اللہ کی راہ سے۔"

(۳۴) جھوٹے وعدے کرنا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ (حشر - ۱۱)

"کیا تم نے نہیں دیکھا انہیں جنہوں نے نفاق کیا، وہ کہتے ہیں اپنے ان بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلیں گے اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے حق میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

(۳۵) بغیر کسی کارنامے کے سرانجام دیئے اس کا کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کرنا یعنی جھوٹی شہرت کا حریص ہونا

وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ۔ (آل عمران - ۱۸۸)

"اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے بغیر ان کے کسی کارنامے کے۔"

(۳۶) سلامت قلب حاصل نہ ہونے کے باعث سچائی اور نیکی کی حقیقتیں نہ سمجھ پانا

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۔ (منافقون - ۷)

"لیکن منافق نہیں سمجھتے"

فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا۔ (النساء-۸۰)

"پھر کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو کہ ایک بات بھی سمجھتے نہیں دکھائی دیتے"

(۳۷) بزدل ہونا

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ۔ (توبہ-۵۶)

"اور یہ لوگ ڈرتے ہیں"

(۳۸) اعدائے اسلام سے درپردہ خوشامدانہ ربط و ضبط رکھنا، صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ کوئی گزند نہ پہنچائیں

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ
نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ۔ (مائدہ-۵۲)

"پس تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم کسی گردش کا شکار نہ ہو جائیں"

(۳۹) بزدلی اور عشقِ دنیا کی وجہ سے ہر مصیبت کو خواہ اس کا رُخ کسی طرف ہو، اپنے ہی لئے سمجھنا

يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ (منافقون-۴)

"اور وہ ہر ہنگامے کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں"

(۴۰) اپنے "مسلم" ہونے پر توفیقِ الٰہی کا شکر گزار ہونے کے بجائے الٹا اللہ اور اس کے رسول اور عام امتِ مسلمہ پر احسان رکھنا

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا۔ (حجرات-۱۷)

"اور وہ تم پر احسان دھرتے ہیں کہ وہ اسلام لائے"

(۴۱) نماز کی ادائیگی اور پابندی کو گراں محسوس کرنا محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آنا، اور اس طرح الکساتے ہوئے آنا جس سے صاف ظاہر ہو کہ بادلِ ناخواستہ آئے ہیں

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَاءُونَ النَّاسَ[1]

(نساء-۱۴۲)

"اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لئے تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاوے کے لئے"

---

[1] یہ آیت ایک بڑی حقیقت کا پردہ کشائی کر رہی ہے۔ اس میں منافقین کی علامت یہ نہیں بتائی گئی ہے کہ وہ نماز کے لئے مسجدوں میں نہیں آتے بلکہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ الکساتے ہوئے آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز، مومن اور کافر کے درمیان حدِ فاصل تھی۔ جو شخص مؤذن کی پکار پر مسجد میں نہ پہنچتا اس کے متعلق سمجھ لیا جاتا تھا کہ اسلام اسے قبول نہیں ہے، اور اس بنا پر وہ امت سے خارج سمجھ لیا جاتا تھا۔ لہٰذا اس زمانہ میں ہر اس شخص کو نماز کے وقت مسجد میں حاضر ہونا پڑتا تھا جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا چاہتا ہو، عام اس سے کہ وہ مومن ہو یا منافق۔ اگرچہ وہ نماز کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نہ اسے ادا کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ انہیں اپنی منافقانہ اغراض کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ ملتِ اسلامی میں گھسے رہیں اس لئے وہ نماز کے اوقات میں مجبوراً مسجد جاتے تھے۔ اس وقت مومن اور منافق کے درمیان تمیز صرف اسی طرح ہوتی تھی کہ مومن ایسے ذوق و شوق کے ساتھ آتے تھے جیسے کہ وہ اس فرض سے خود بخود کھنچے چلے آ رہے ہیں، اور منافقین اس طرح

(بقیہ بر صفحہ ...)

نماز کو خصوصاً فجر اور عشاء کی نمازوں کو با جماعت نہ ادا کرنا۔ (مشکوٰۃ)

(۴۲) ہلکے اور بے ضرر احکام شرعیہ پر تو عمل کر لینا، لیکن سخت اور ایثار طلب احکام سے روگردانی کر جانا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ۔ (النساء ۷۷)

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ۔ پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا تو ان میں سے ایک گروہ ڈرتا ہے لوگوں سے۔"

(۴۳) جہاد کا نام سن کر کانپ اٹھنا اور میدانِ جہاد کی طرف رخ کرتے ہوئے شدتِ خوف سے بدحواس ہو جانا

رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔ (محمد ۲۰)

(بقیہ حاشیہ پیرشتہ) ورنہ خواستہ آتے تھے گویا زبردستی اپنے آپ کو کھینچے لا رہے ہیں۔ اب صورت معاملہ بالکل بدل گئی ہے۔ آج کسی منافق کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنے کے لئے نمائشی نماز کی بھی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ اس کے بغیر بھی وہ اچھا خاصہ مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا آج نماز مومن اور کافر کے درمیان نہیں بلکہ مومن اور منافق کے درمیان حد فاصل بن گئی ہے۔ اب منافق کی کھلی ہوئی علامت یہ ہے کہ وہ اذان کی آواز سن کر ٹس سے مس نہ ہو اور جب نماز کا وقت آئے تو ادائے فرض کے لئے حرکت نہ کرے۔

"تم نے دیکھا ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دیکھتے ہیں تیری طرف ایسے جیسے دیکھے موت کی بے ہوشی والا۔"

(۴۴) فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے وقت جب کہ عام امّت اس فرض کو پورا کرنے کے لئے غنیم کے مقابل جا رہی ہو، ہر طرح کی استطاعت رکھنے کے باوجود امام وقت کے سامنے طرح طرح کے بہانے پیش کرنا اور پیچھے رہ جانے کی اجازت چاہنا

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ۔ (توبہ ۸۶)

"اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ ہو کر رسول کے تو رخصت مانگتے ہیں تم سے ان کے دولت مند لوگ۔"

(۴۵) جنگ کی ضرورت سورج کی طرح عیاں ہو لیکن مختلف تاویلوں سے، تاکہ اس آزمائش سے نجات مل جائے، اس ضرورت کا انکار کرنا

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ (آل عمران ۱۶۷)

"انہوں نے کہا کہ ہمیں اگر لڑائی کا علم ہوتا تو تمہاری پیروی کرتے۔"

(۴۶) جہاد کی ضرورت سے انکار تو نہ ہو لیکن اس کی تکلیفوں اور صعوبتوں کا تصور کر کے اسے مصالح کے خلاف بتانا، خود بھی گھر بیٹھ رہنا اور دوسروں کو بھی تن آسانی اور عافیت کوشی کی ترغیب دینا

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ...... (توبہ ۸۱)

"اور کہا انہوں نے مت کوچ کرو گرمی میں۔"

(۴۷) میدانِ جہاد میں مصالح ملّی اور اسلامی عزت و ناموس کے بجائے اپنی جانوں ہی کی فکر میں رہنا

وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا

(آل عمران ۔ ۱۵۴)

"اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان ۔ ۔ ۔ ۔ کہتے ہیں اگر معاملہ ہمارے بس میں ہوتا کچھ بھی تو ہم نہ مارے جاتے یہاں"

(۴۸) مسلمان ہونے کا مطلب یہ سمجھنا کہ اب ہمیں کسی مصیبت سے دوچار نہ ہونا چاہیے کیونکہ جب ہم ہی رب السمٰوات والارض کے تنہا نام لیوا ہیں تو وہ ہم کو اپنے منکروں اور دشمنوں کے مقابلہ میں مبتلائے مصیبت کیوں کرے گا۔ پھر جب کوئی ایسا موقع آپڑے کہ بظاہر مسلمانوں کو مادّی مضرت پہنچ رہی ہو تو خدا، اس کے رسول اور اس کے بھیجے ہوئے دینِ اسلام کی صداقت میں طرح طرح کے شک کرنا

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا
وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۔ (احزاب ۔ ۱۲)

"اور جب کہنے لگے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے، وہ سب فریب تھا"

(۴۹) میدانِ جہاد سے امام اور لشکرِ اسلام کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہونا خواہ اپنی جان بچانے کی نیت سے خواہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی غرض سے

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا
وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ط وَمَا هِيَ
بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۔ (احزاب ۔ ۱۳)

"اور جب کہا ان میں سے ایک گروہ نے: اے اہلِ یثرب! تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں پس لوٹ چلو اور ان میں سے ایک جماعت نبی سے رخصت طلب کرتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو بس بھاگنا چاہتے ہیں"

(۵۰) شرکتِ جہاد کی سعادت سے محروم رہنے پر حزین و ملول ہونے کی بجائے مسرور ہونا

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا
أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۔ (التوبہ ۔ ۸۱)

"خوش ہوئے پیچھے رہ جانے والے اللہ کے رسول کے خلاف گھر بیٹھے رہنے پر اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں مال اور جان سے"

(۵۱) خود رکنے کے علاوہ دوسروں کو بھی میدانِ جنگ میں جانے سے روکنا

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ
هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ۔ (الاحزاب ۔ ۱۸)

"اللہ جانتا ہے ٹال مٹول کرنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو کہتے ہیں اپنے

بھائیوں سے کہ چلے آؤ ہمارے پاس اور وہ نہیں آتے لڑائی میں مگر کبھی کبھی۔"

(۵۲) راہِ حق میں جان دینے کی سعادت اور ارجمندی سے بے خبر ہونا، اسے مفت کا ضیاعِ جان سمجھنا، اور جس طرح کسی کی بدانجامی پر افسوس کیا جاتا ہے اس طرح شہداء کی موت پر اظہارِ افسوس کرنا

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا۔

(آلِ عمران - ۱۶۸)

"وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے متعلق اور خود بیٹھ رہے کہ اگر انہوں نے ہمارا کہا مانا ہوتا تو نہ مارے جاتے۔"

(۵۳) ایمان کی قوت اور صبر و توکل علی اللہ کی کیفیت کا قدر شناس نہ ہونا، کفر و ایمان دونوں کو اثر، نفوذ اور ثبات کے لحاظ سے ایک جیسا سمجھنا، اس علم سے محروم اور اس یقین سے خالی ہونا کہ فتح و شکست کا مدار اصلی مادی اسباب پر نہیں بلکہ ایمان باللہ کی بخشی ہوئی قلبی استقامت پر اور اپنے نصب العین کی خاطر اک گونہ عالم اسباب سے بالاتر ہو جانے پر ہے، اس حقیقت سے ناآشنا ہونا کہ حق پرست کی حمایت سے اگر دنیا جہان کے انسان منہ موڑ لیں تب بھی اس کے لئے غم و اضطراب کا کوئی موقع نہیں کہ دشمن اگر قوی ہے تو نگہبان قوی تر ہے

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ۔ (الانفال - ۴۹)

"جب کہا منافقوں نے اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے کہ ان

کے دین نے ان لوگوں کو فریب میں ڈال رکھا ہے۔"

(۵۴) صرف اس وقت جنگ کے لئے نکلنا جب یہ توقع ہو کہ نہ کوئی خطرناک صورتِ حال واقع ہو گی اور نہ راستہ میں مشکلات اور مصائب پیش آئیں گے، بلکہ نہایت آسانی سے مالِ غنیمت لوٹ کر واپسی ہو جائے گی

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ۔ (التوبہ - ۴۲)

"اگر ہوتا مال کہیں قریب اور سفر ہلکا تو تمہارا ساتھ دیتے لیکن یہ راستہ انہیں کٹھن معلوم ہوا۔"

(۵۵) خطرہ کے وقت تو مسلمانوں کا ساتھ نہ دینا، مگر جب برا وقت گزر جائے اور مسلمان میدانِ جنگ سے واپس آئیں تو پوری مومنانہ صورت اور مخلصانہ لب و لہجہ کے ساتھ ان کا استقبال کرنا اور اپنے عدم شرکت کی جھوٹی مجبوریاں بیان کر کے معذرت خواہ ہونا اور محض زبانی، اور وہ بھی نمائشی، اظہارِ ہمدردی اور لمبی چوڑی قسموں سے لوگوں کو خوش رکھنے کی سعی کرنا

وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔ (توبہ - ۴۲)

"اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو نکلتے تمہارے ساتھ ہلاک کرتے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔"

(۵۶) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ میں شریک ہونے کی نوبت بھی آجائے تو جماعت میں فتنہ انگیزیاں کرتے رہنا، اور اس طرح اسے

تقویت دینے کی بجائے اور کمزور کرنا

لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ - (توبہ - ۴۷)

"اگر وہ نکلتے تمہارے ساتھ تو نہ اضافہ کرتے تم میں سوائے خرابی کے اور تمہارے اندر فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے"

(۵۷) امن کو اپنی اغراض کی خاطر برباد کرنا خصوصاً ایسے وقت کو اپنی مطلب برآری کے لئے غنیمت سمجھنا اور اس میں فتنہ و فساد برپا کر دینا جب اقتدارِ حکومت اپنی دوسری اہم مشغولیتوں کے باعث ان کی نگرانی نہ کر رہا ہو

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ - (محمد - ۲۲)

"پس تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتے توڑ دو"

(۵۸) جہاد میں شریک ہونا ہو بھی تو محض دنیوی فائدے اور حصولِ غنائم کے لالچ سے، نہ کہ حق کو بلند کرنے اور باطل کو سرنگوں کرنے کی خاطر

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا

(نساء - ۷۳)

"اور اگر پہنچے تمہیں اللہ کی جانب سے فضل تو وہ ضرور کہے گا گویا کہ نہ تھی تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی، کاش کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی

کامیابی حاصل کرتا"

(۵۹) قربانیاں دینے کے وقت تو چھپ کر بیٹھ رہنا لیکن مالِ غنیمت میں، یا جو نتائج بھی عام مسلمانوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں حاصل ہوں اس میں حصہ بٹانے کے لئے اسلام کی فلاح و بہبود کا دم بھرتے اور ایمان کے نعرے لگاتے ہوئے آموجود ہونا

فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ - (احزاب - ۱۹)

"اور جب جاتا رہے خوف تو تیز طرار زبانوں کے ساتھ تمہارے سامنے آتے ہیں مال کے حریص بن کر"

(۶۰) وظائف یا اموالِ غنیمت یا صدقات و زکوٰۃ کی تقسیم کے وقت زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی سعی کرنا، اور اگر حسبِ خواہش حصہ نہ ملے تو بگڑ بیٹھنا اور اپنی کارگزاریوں کو دیکھنے کے بجائے امامِ جماعت پر بہتان لگانا

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ - (توبہ - ۵۸)

"اور ان میں بعض ایسے ہیں جو تم پر طعن کرتے ہیں صدقات کے معاملے میں۔ پھر اگر انہیں ان میں سے دیا جائے تو راضی ہوتے ہیں اور اگر ان میں سے نہ دیا جائے تو ناخوش ہوتے ہیں۔"

(۶۱) ایسی پالیسی اختیار کرنا کہ بہرصورت اپنا دہان آز بھرے۔ اگر مسلمان غالب ہوں تو ان سے بھی مالِ غنیمت میں حصہ مل کر رہے اور اگر دشمن غالب

رہیں تو ان سے بھی صلہ ہاتھ آئے

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ (نسار - ۱۴۱)

"پس اگر تم کو فتح ملے اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ملے کافروں کو حصہ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پالیا تھا اور (پھر بھی) تمہیں مسلمانوں سے بچا لیا؟"

(۶۲) اسلام کی محبت کو اہل وعیال اور وطن کی محبت پر قربان کر دینا، اور بوقت ضرورت دین کی خاطر ترکِ وطن یعنی ہجرت نہ کرنا، اور غیر اسلامی طرز کی زندگی بسر کرنے پر قانع رہنا

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۔ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۔ (النساء - ۹۷)

"جن لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے جبکہ وہ ظلم کر رہے ہوتے ہیں اپنے اوپر، تو کہتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم تھے مغلوب زمین میں۔ کہتے ہیں (فرشتے): کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟"

نیز

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۔ (عنکبوت - ۱۱)

"اور ضرور معلوم کریگا اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور معلوم کریگا منافقوں کو۔"

(جیسا کہ پہلے بالتشریح بتایا جا چکا ہے، یہ آیت تمہید ہجرت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے اور یہاں منافق ان ہی لوگوں کو کہا گیا ہے جو ہجرت کا حکم آنے کے بعد مکہ سے نہ نکلنے والے تھے اور نہ آخر کار نکلے۔)

(۶۳) کفر کی حکومت میں بغیر کسی واقعی مجبوری کے برضا و رغبت زندگی بسر کرنا، اور اس کے ساتھ تعاون کرنا۔ یہاں تک کہ اس کا حق وفاداری ادا کرتے ہوئے اسلام کے خلاف بھی نبرد آزما ہو جانا

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ الخ ۔ (النساء - ۹۷)

(اس آیت کی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔)

(۶۴) ایسے مواقع سے دور رہنا جہاں حق و صداقت کی باتیں ہو رہی ہوں، اور اگر وہاں پہلے سے موجود ہوں تو چپکے سے نظر بچا کر کھسک جانا

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۔ (توبہ - ۱۲۷)

"اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ آیا کوئی تمہیں دیکھتا ہے، پھر کھسک جاتے ہیں۔"

(۶۵) دل کا ایسا سخت اور سیاہ اور بے حس ہو جانا کہ قرآنی نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہو بلکہ انہیں قابل نفرت سمجھ کر ان سے اعراض کرنا

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۔ (مدثر - ۴۹-۵۰)

"انہیں کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے موڑتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکے ہوئے۔"

(۶۶) جماعتی حیثیت سے باہم منتشر رہنا، دلوں کا ایک دوسرے سے پھٹا ہُوا ہونا، اور بظاہر متحد معلوم ہونے کے باوجود باہم دگر کھنچے ہوئے رہنا

بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى۔

(الحشر۔۱۴)

"ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تم انہیں متحد خیال کرو گے حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔"

(۶۷) حرام خوری میں چھوٹ ہونا

تَرٰى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ (المائدہ۔۶۲)

"تم دیکھو گے بہت سے ان میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں گناہ اور زیادتی اور حرام خوری میں۔"

(۶۸) وعدہ خلافی کا عادی ہونا

إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

"جب عہد کرے، وفا نہ کرے۔"

(۶۹) امانت میں خیانت کر جانا

إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

"جب امین بنایا جائے، خیانت کرے۔"

(۷۰) جھگڑتے وقت گالیوں پر اتر آنا

إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

"جب جھگڑے، گالی دے۔"

(۷۱) جھوٹ بولنا

إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

"جب بات کرے، جھوٹ بولے۔"

(۷۲) روٹی اور پیٹ ہی کو اپنی توجہات اور مساعی کا مرکز بنانا

هَمُّ الْمُنَافِقِ بَطْنُهُ۔ (حدیث)

"منافق کو بس پیٹ کی فکر رہتی ہے۔"

(۷۳) دین کے سچے مخلص اور صاحبِ عزم خدمتگزاروں سے کدر رکھنا

آيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ۔ (بخاری کتاب المناقب)

"نفاق کی ایک علامت انصار سے بغض ہے۔"

نفاق کے یہ اعمال، اوصاف اور علامات تمام اقسام منافقین کے اعمال اور کیفیاتِ نفسی پر حاوی ہیں۔ یعنی یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر منافق میں یہ علامتیں ساری کی ساری موجود ہوتی ہیں۔ بلکہ کسی منافق کے اندر ان میں سے دو چار ہوں گی تو دوسرے میں دس بیس ہو سکتی ہیں۔ اگر ایک منافق میں بعض علامتیں موجود ہوں گی، بلکہ ان کے علاوہ بعض دوسری ہوں گی۔ در اصل ان علامتوں کا وجود ہر صاحبِ نفاق کے ذاتی حالات اور اس کے انفرادی رجحاناتِ نفسانی پر منحصر ہے۔

منافق اور گنہگار کا فرق

نفاق کی جن علامات کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان کو سامنے رکھ کر بلا تامل ہر اس شخص کو منافق نہ گمان کر لیجیے جس کے اندر ان علامتوں میں سے کوئی ایک علامت کسی وقت بھی نظر آجائے۔ منافقین کی جتنی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں، ان میں سے اکثر کا سرچشمہ انسان کی کمزوری نفس اور مادیات کی غیر معتدل محبت ہے، اور یہی کمزوری نفس اور غیر معتدل حبِ دنیا گناہ کا بھی سرچشمہ ہے۔ اس لئے ایک سچے مسلمان سے بھی ان اعمال کا صدور ہر وقت ممکن ہے کیونکہ انبیاء کو چھوڑ کر کوئی انسان بھی، خواہ وہ کیسا ہی راسخ الایمان کیوں نہ ہو۔ معصوم نہیں۔ نفس ہر شخص کے اندر ہے، اس لئے ایک مسلمان جہاں اچھے اعمال کرتا رہتا ہے وہاں گناہوں کا ارتکاب بھی اس سے ہو سکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کسی وقت ایک مسلمان بھی وہی حرکت کر بیٹھے جو منافق کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا اس جگہ منافق اور گنہگار مسلمان، دونوں کی پوزیشن اور دونوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

نفاق کی اس ساری بحث کو پڑھنے کے بعد آپ پر اب یہ امر تو مخفی نہ رہ گیا ہوگا کہ جب ایک منافق اسلامی تعلیمات یا ملّی مصالح کے خلاف کوئی حرکت کامیابی کے ساتھ کر گزرتا ہے تو اس کے دل کو کیسی فرحت اور اس کے نفس کو کیسا

سرزد حاصل ہوتا ہے، اور بجائے اس کے کہ اس کا ضمیر اپنی اس شنیع حرکت پر کسی قسم
کی گرانی اور ناگواری کا احساس کرے، الٹا اپنی کامیاب "سیاست" پر فخر کرتا ہے لیکن
ایک مسلمان ایسی کوئی حرکت کب اور کیوں کرتا ہے؟ اور پھر اس کے سرزد
ہوجانے کے بعد اس کے ضمیر کا حال کیا ہوتا ہے؟ قرآن حکیم اس کا یہ جواب
دیتا ہے کہ:-

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ
يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۔ (آل عمران - ۱۳۵)

"اور (جنت ان متقیوں کے لئے ہے) جو اگر کبھی کوئی برا کام کر گذرتے ہیں
یا اپنے نفس پر (گناہ کر کے) ظلم کر جاتے ہیں تو فوراً ہی انہیں اللہ کا خیال آجاتا ہے
پھر وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو
معاف کرنے والا ہو ــــ اور وہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔"

ایسے ہی گناہگار مسلمانوں کے متعلق دوسری جگہ آتا ہے کہ:-

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَ
آخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۔ (التوبہ - ۱۰۲)

"اور (ان منافقوں کے علاوہ جہاد سے پیچھے رہ جانے والے) بعض
دوسرے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا (پورے احساس ندامت
کے ساتھ) اقرار کر لیا ہے۔ ان کے کچھ اچھے اعمال بھی ہیں اور کچھ برے بھی۔
توقع ہے کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے گا۔"

ایک تیسری آیت بھی سامنے رکھیے:-

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ
بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ
(النحل - ۱۱۹)

"جن لوگوں سے جذباتِ نفس کے زور میں برائیاں سرزد ہوجاتی ہیں، مگر
پھر اس کے بعد وہ توبہ کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں کے حق میں
یقیناً تیرا پروردگار اس (توبہ اور اصلاح) کے بعد ضرور بخش دینے والا اور رحم
کرنے والا ہے۔"

ان تینوں آیتوں پر غور کرنے سے چند باتیں نکلتی ہیں:-

ایک تو یہ کہ مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے، اور ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ وہ اگر گناہ کرتا ہے تو "جہالت" کی بنا پر، یعنی کسی فوری جذبۂ نفسانی
سے مغلوب ہو کر، نہ کہ سوچ سمجھ کر۔

تیسری یہ کہ ارتکاب گناہ کے بعد اس کا ضمیر مضطرب ہوجاتا ہے۔ خدائے
ذوالجلال کی صفت عدل اس کی نگاہوں کے سامنے مجسم ہو کر کھڑی ہوجاتی ہے اس کی
جبینِ ایمانی پر عرق انفعال کے قطرے نمودار ہوجاتے ہیں۔ وہ بغیر کسی توقف کے اپنے
گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے۔ اور خدا سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے، اور آیندہ کے
لئے اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔

چوتھی بات، جسے اسی تیسری بات کا سلبی پہلو کہنا چاہیے، یہ ہے کہ وہ اپنے
کسی عمل بد پر قصداً جما نہیں رہتا۔ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ وہ مسلسل اس برائی کو کئے جائے،

اور اسے ترک کرنے کی نہ کوئی سعی کرے نہ اس کے تدبر میں کسی واقعی ناگواری اور ندامت کا احساس پیدا ہو۔ مگر منافق ان تمام صفات سے عاری ہوتا ہے۔ وہ خلافِ شرع حرکتوں کو کسی فوری جذبۂ نفس سے مغلوب ہو جانے کی وجہ سے نہیں کرتا، بلکہ پورے شعور اور ارادہ کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ شریعت کی خلاف ورزی کو اس کی پابندی پر قصداً ترجیح دیتا ہے اور اس خلاف ورزی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے۔ شریعت کی پابندی میں بظاہر جو تکلیفیں اور لذتِ نفس سے محرومیاں ہیں ان کا موازنہ وہ ان فائدوں و تن آسانیوں اور لذتوں سے کرتا ہے جو شریعت کی خلاف ورزی میں نظر آتی ہیں۔ پھر اس کا نفس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کو پہلی چیز قبول نہیں ہے اور صرف دوسری چیز ہی مطلوب ہے۔ اسی فیصلہ کی بنا پر جب وہ خدا کا قانون توڑتا ہے تو اسے شرمندگی کی بجائے فرحت و مسرت ہوتی ہے۔ اس کے دل میں خوفِ خدا کا شائبہ تک نہیں آتا، نہ استغفار اور توبہ کی طرف کبھی اس کا ذہن منتقل ہوتا ہے۔

یہ ہے بنیادی فرق ایک منافق اور ایک گنہگار مسلمان میں، اور یہی وہ نکتہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے خوارج نے مطلقاً ہر گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دے دیا۔ اس لئے ایمان اور نفاق کا اندازہ لگاتے وقت ہمیں پوری احتیاط برتنی چاہیئے اور منافق اور گنہگار مسلمان کے اس نازک فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

لیکن منافق اور گنہگار کے اس فرق کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گناہ اور نفاق بالکل متباین حقیقتیں ہیں اور ان میں سرے سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔ اس کے برعکس صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اگر گناہ کرنے کے بعد اس پر انسان کو پشیمانی نہ ہو، اور وہ اپنی اصلاح کے لئے مضطرب نہ ہو جائے تو یہی گناہ نفاق کی تخم ریزی

کر دیتا ہے۔ اور اگر گناہوں کے معاملہ میں اس کی یہ جسارت یوں ہی کام کرتی رہی تو یہ تخم اکھوے نکالتا، نشو ونما پاتا اور پروان چڑھتا ہوا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے باطن کی پوری فضا اس کی شاخوں اور ٹہنیوں سے ڈھک جاتی ہے۔ یہ کوئی قیاس وگمان کی بات نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل قانون ہے، جس کے ثبوت کے لئے قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کرتی ہے:۔

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ۔ (توبہ - ۷۵ - ۷۷)

"ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے انہیں اپنا فضل عطا کیا تو وہ ضرور بالضرور صدقے دیں گے اور صالح مسلمان ثابت ہوں گے۔ لیکن جب اللہ نے انہیں اپنا فضل عطا کر دیا تو انہوں نے پوری بے پروائی کے ساتھ اس میں بخل سے کام لیا۔ نتیجہ میں اس نے ان کے دلوں میں قیامت تک کے لئے نفاق پیدا کر دیا، اس لئے کہ اللہ سے وعدہ کر کے انہوں نے توڑ دیا اور وہ جھوٹ بولتے تھے۔"

اسی طرح بیہقی شریف کی ایک حدیث میں ہے:۔

من سمع النداء يوم الجمعة فلم يأتها ثم سمعه فلم يأتها ثم سمعه فلم يأتها طبع الله على قلبه وجعل قلبه قلب منافق۔

"جس شخص نے جمعہ کی اذان سنی مگر نماز کے لئے نہ آیا، دوبارہ سنی مگر پھر نہ آیا تیسری بار سنی مگر پھر بھی نہ آیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کا دل منافق کا دل بنا دیتا ہے۔"

ان نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ گناہ اور شے ہے اور نفاق اور چیز، مگر ان دونوں میں ایک زبردست نفسیاتی تعلق بھی ہے۔ یعنی گناہ کسی وقت بھی منافقت کی بیماری پیدا کر دے سکتا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح میعادی بخار کے وبائی زمانے میں معمولی بخار کسی وقت بھی میعادی بخار میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کسی گناہ کے ہو جانے پر یہ اطمینان ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ بس ایک گناہ تھا جو سرزد ہو گیا، بلکہ اس کے خطرناک اثرات سے محفوظ رہنے کی فوری فکر ہونی چاہیئے۔ ورنہ کچھ بعید نہیں کہ وہ نفاق کا مرض پیدا کر جائے اور ہمیں اس کی خبر بھی نہ لگے۔

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (حجرات: ۲)

(کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تم کو خبر نہ ہو)

منافقین کے بارے میں شریعت کے احکام

اب ہمیں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ منافقوں کے بارے میں شریعت کے احکام کیا ہیں؟

منافقین کے بارے میں قرآن نے جو احکام صادر کئے ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ تو وہ ہے جو ان کی آخرت سے متعلق ہے، یعنی یہ کہ مالک یوم الدین کل ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ دوسرا حصہ ان کی دنیوی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، یعنی یہ کہ عام مسلمان انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں؟

اختلافِ درجات کا لحاظ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طرح اخروی انجام کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کے درجات یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے ایمان اور اعمال کے مراتب کے لحاظ سے انہیں مختلف مدارج عطا کئے جائیں گے، اسی طرح منافقین بھی سب کے سب ایک درجہ میں نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مراتبِ نفاق کے اعتبار سے ان کی سزاؤں کے

بھی مختلف مدارج قرار دیئے جائیں گے۔ جس منافق کے اندر نفاق اپنی پوری شدت کے ساتھ کارفرما ہوگا اس کے عذاب کی کمیت اور کیفیت کچھ اور ہوگی، اور جس کے اندر نفاق کی معمولی اور نسبتاً ہلکی خصوصیات ہوں گی اس کے عذاب کی نوعیت کچھ اور ہوگی۔ اعتقادی منافق جس سزا کا مستحق ہوگا وہ اس سزا سے قطعاً مختلف ہوگی جو عملی منافق کے حصہ میں آئے گی۔ یہی فرق ان احکام میں بھی ملحوظ ہے جو عام مسلمانوں کو منافقوں کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔ خود اصولِ جزا کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مختلف طبقاتِ منافقین کے درمیان یہ فرق ملحوظ رکھا جائے اور قرآن کے بعض اشارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً وہ لوگ جو خدا اور رسولِ خدا اور آیاتِ قرآن کے ساتھ تمسخر کرتے تھے، ان کے متعلق قرآن فرماتا ہے:۔

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ۔ (توبہ۔ ۶۶)

"منافقو! باتیں نہ بناؤ، یقیناً تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو دوسرے لوگوں کو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ (حقیقی اور شعوری) مجرم ہیں"

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفاق اور وہ منافقانہ رویہ جو جان بوجھ کر اختیار کیا جائے اس کا مقام اور ہے اور جو محض جہالت یا بے پروائی یا ضعفِ نفس کی بنا پر ہو اس کا مقام اور ہے۔

منافقین کے طبقات

اس نقطۂ نظر سے جب ہم عام منافقین کے حالات وصفات پر نگاہ ڈالتے ہیں

تو یہ لوگ کئی طبقات میں بٹے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اصولی اور بنیادی طور سے ان کو دو ہی طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک تو وہ اشرار ازلی ہیں جو اسلام اور کفر دونوں کی حقیقت، دونوں کے نظریات اور دونوں کے حیاتی نصب العین سے بخوبی واقف تھے، اور اس واقفیت کے بعد ان کا دل اسلام سے پوری طرح برگشتہ اور کفر اور کافرانہ نظریات ہی کا عقیدت کیش تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے کچھ مصالح تھے جو انہیں مجبور کیے ہوئے تھے کہ اسلام سے علانیہ بے تعلقی کا اظہار نہ کریں، بلکہ منافقت کے لباس میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں ـــــ یعنی وہی اعتقادی منافقین۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو گو حالتِ نفاق میں گرفتار تھا، لیکن ان کا باطن اتنا زنگ آلود نہ تھا جیسا کہ مقدم الذکر طبقہ کا تھا۔ ان کا نفاق یا تو شرحِ صدر کی نعمت سے محرومی کا نتیجہ تھا، یا پھر ان کے نفس کی کمزوریوں نے انہیں منافقین کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ کفر کی بہ نسبت اسلام سے قریب تر تھے اور اندر سے بھی اپنے آپ کو مسلمانوں ہی میں سمجھتے تھے اور مسلمان ہونا انہیں پسند تھا، مگر ان کے اسلام میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے اصول اور مسلک کی خاطر، جسے وہ حق کہتے اور حق سمجھتے تھے، ضرورت پڑنے پر اپنے مادی علائق، اپنی طبعی لذات اور اپنے دنیوی مصالح کو قربان کر سکتے ـــــ یعنی وہی عملی منافقین۔

احکامِ آخرت

اب دونوں گروہوں کے بارے میں، ان کے اختلافِ مدارج کے لحاظ سے، جو مختلف احکام بیان کیے گئے ہیں، ان پر غور کیجیے۔ پہلے اخروی احکام کو لیجیے، یعنی

یہ دیکھیے کہ ان لوگوں کا آخرت میں کیا حشر ہوگا؟

(۱) پہلے طبقہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے :۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۔ (توبہ-۵۳)

"اے پیغمبر ان منافقوں سے کہہ دو کہ خواہ تم خوشی سے صدقہ دو یا زبردستی، (خدا کے ہاں بہر حال) ہرگز مقبول نہ ہوگا، کیونکہ تم دافستہ نافرمانی کرنے والے لوگ ہو۔"

معلوم ہوا کہ منافقوں کا کوئی عمل خدا کے حضور میں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ یہ لوگ بظاہر جو کچھ بھی اسلامی طرز کے اعمال کرتے ہیں وہ جذبہ ایمانی کے تحت نہیں کرتے بلکہ صرف دکھاوے کے لئے کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں تو ایمان کی روشنی کا گذر ہی نہیں۔ وہاں تو فسق ——— جو ضدِ ایمان ہے ——— کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ یہ گمان نہ ہو کہ اس آیت میں تو صرف ان کے صدقات ہی کے نامقبول ہونے کا ذکر ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ دوسرے اعمال کا یہ حشر نہ ہو نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فسقِ باطن کی جو آگ ان کے صدقات کو کھا جائے گی وہی ان کے ایک ایک عمل کو خاکستر بنا کر رکھ دے گی۔

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۔ (مائدہ-۵۳)

"ان منافقوں کے تمام اعمال اکارت ہو گئے اور وہ سراسر گھاٹے میں رہے۔"

پھر اس حبطِ عمل کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے وہ محتاجِ بیان نہیں :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۔

(توبہ-۶۸)

"اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار، سب سے نارِ جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ ان کے لئے بالکل کافی ہے۔ خدا نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔"

کفار اور منافقین دونوں کے لئے نارِ جہنم کی سزا تو ضرور ہے لیکن داورِ دوجہاں فرماتا ہے کہ منافقین کا "مقام" کافروں سے بھی بہت آگے ہے :۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔

(النساء-۱۴۵)

"بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔"

اور یہ بالکل تقاضائے عدل ہے۔ اک ذرا تامل کرنے سے کفر کے مقابلہ میں جرمِ نفاق کی سنگینی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ جہاں تک اعتقادی منافقین کی دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کا تعلق ہے، اس کا یہ انجام اس لئے ہوگا کہ وہ عام کفار کے مقابلہ میں حق کی زیادہ خطرناک اور بدخواہ دشمن ہے۔ باقی رہی دوسری قسم تو وہ بھی کھلے مخالفین اسلام سے بہر حال خطرناک تر ہی ہے۔ علاوہ ازیں کافر کے اندر ساری کجرویوں اور گمراہیوں کے باوجود ضمیر ہوتا ہے، اور اس ضمیر میں خودی اور خودداری کی روح ہوتی ہے۔ وہ اپنے مسلک کو حق سمجھ کر اس پر اڑ جاتا ہے، اور اس کے خلاف

ہر آواز کو باطل یقین کرکے اس کا دشمن بنتا ہے۔ مگر یہ بدبخت اور ننگِ انسانیت منافق اس ایک خوبی سے بھی محروم ہوتا ہے نفس پرستی کے سوا اس کا کوئی مسلک ہی نہیں ہوتا۔ وہ مادیات کے عشق میں اپنے ضمیر کو بالکل پست، بے حس اور ذلیل بنا لیتا ہے، اور اس پوری تیاری کے ساتھ خدا کے حضور میں جاتا ہے کہ "درکِ اسفل" کے سوا کسی اور جگہ رہنے کے قابل ہی نہیں ٹھہرتا۔

یہ عذاب ان کے لئے لازمی ہے۔ اس قضائے مُبرم کو کوئی شئے ٹال نہیں سکتی۔ خدا کے نزدیک اپنے حبیبؐ سے بڑھ کر کوئی مقبول نہیں، لیکن اس کی دعائیں بھی یہاں کچھ نہیں کر سکتیں:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ
مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ (التوبہ ۸۰)

"اے پیغمبر ان منافقوں کے لئے تم خواہ دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو۔ (ایک نہیں) اگر ستر بار بھی تم ان کے لئے مغفرت چاہو تب بھی خدا انہیں ہرگز بخشنے کا نہیں۔

(۲) دوسرے طبقہ کے انجام سے متعلق اللہ رب العالمین نے ہمارے سامنے کوئی واضح اور طے شدہ فیصلہ نہیں رکھا ہے۔ لیکن اتنا تو اس نے کھول کر کہہ دیا ہے کہ وہ دوزخ کا عذاب ضرور چکھیں گے۔ مثلاً ان ضعفاء کے بارے میں جو ہجرت نہ کر سکے تھے اور کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے معرکۂ بدر میں مارے گئے تھے، اس نے فرما دیا ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (ان کا ٹھکانا جہنم ہے) اس لئے اتنی بات تو قطعی ہے کہ اس طبقہ کو بھی دوزخ کی ہولناکیوں سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا، اگر وہ توبہ اور اپنی

اصلاح احوال کرکے اللہ کے یہاں حاضر نہ ہوا ہوگا۔ اس ناگزیر انجام سے انہیں نہ تو یہ عذر بچا سکے گا کہ ہمیں ایمان کی صحیح کیفیت اور اس کے مقتضیات کا علم نہ تھا، اور نہ یہ عذر کچھ کام آ سکے گا کہ ہم اسلام کے منکر یا بدخواہ اور دشمن نہ تھے۔ خدا کی عدالت دوٹوک فیصلہ کرے گی اور اس ضعفِ ایمانی اور جہالت و بے یقینی کا انجام بھی ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ ہاں طبقۂ اولیٰ کے مقابلہ میں ان کی سزا بہرحال ہلکی ہوگی۔ ان کے لئے درکِ اسفل نہ ہوگا۔ نہ ان کے متعلق قرآن نے ملعونیت کی وعید سنائی ہے اور نہ اس امر کا اعلان کیا ہے کہ وہ ــــ طبقہ اولیٰ کی طرح ــــ دوزخ میں ابد تک رہیں گے۔ پھر ان کی سزاؤں کا اندازہ کیا ہے؟ اس کی صحیح تعیین کس طرح کی جائے؟ یہ سوال ہمارے طے کرنے کا نہیں۔ مالک یوم الدین کی حکمت، رحمت اور عدالت ہی اسے طے کرے گی بندہ کو تو بہرحال اس کی تمام صفات میں سے صرف اس کی صفت رحمت ہی کے دامن کو پکڑنا چاہیئے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ۔ (المومن: ۷)

"اے ہمارے رب، تو اپنی رحمت اور علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔"

احکامِ دنیا

ان کی اُخروی زندگی کا حشر تو یہ رہا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ اہلِ ایمان کو ان منافقوں کے ساتھ دنیا میں کس طرح پیش آنا چاہیئے؟ اور ان کے ساتھ امتِ مسلمہ کے سیاسی، معاشرتی اور عمرانی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے؟ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا، اُخروی احکام کی طرح دنیوی احکام کے لحاظ سے بھی دونوں طبقوں کی نوعیت جداگانہ ہے:۔

(۱) پہلے طبقہ (اعتقادی منافقین) کے بارے میں قرآن مجید کا بنیادی نقطۂ

نظریہ ہے کہ مومن تو اللہ کی پارٹی ہیں، لیکن یہ منافق شیطان کی پارٹی ہیں

اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ۔ (مجادلہ-۱۹)

”یہی شیطان کی پارٹی ہیں“

اس لئے خواہ یہ لاکھ اظہار ایمان کریں، ملتِ اسلامیہ یعنی حزب اللہ سے ان کا کوئی ربط نہیں، یہ کبھی بھی ملت میں شمار نہ کئے جائیں:-

وَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ وَمَا ھُمْ مِّنْکُمْ۔ (توبہ-۵۶)

”اور یہ منافق قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ یقیناً تمہاری جماعت میں ہیں، حالانکہ وہ (قطعاً) تم میں سے نہیں“

بلکہ:-

ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ (منافقون-۴)

”یہ منافق تمہارے پکے دشمن ہیں، ان سے خبردار رہو“

پھر اس ”فَاحْذَرْھُمْ“ کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ:-

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِیَآءَ .... وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۔ (النساء-۸۹)

”تو ان منافقوں میں سے کسی کو اپنا ساتھی اور دوست نہ بناؤ .....

...... اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست ٹھیراؤ نہ مددگار“

یعنی ان لوگوں سے کامل علیحدگی اختیار کر لینی چاہیئے۔ انہیں اپنے معاشرتی، انتظامی، تعلیمی اور سیاسی معاملات سے بالکل دور رکھنا چاہیئے اور ان کا مکمل بائیکاٹ کر کے اپنی جماعت سے الگ کر دینا چاہیئے۔ اس بائیکاٹ میں کسی مداہنت

کو راہ نہیں دی جا سکتی، خصوصاً سیاسی معاملات میں نہ تو ان سے کوئی مشورہ لیا جا سکتا ہے، نہ اپنی ملت کے اسرار سے انہیں آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ رہا کسی معاملہ میں ان حضرات کی قیادت اور رہنمائی قبول کرنے کا سوال، تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو اور آپ کے ذریعہ سارے اہل ایمان کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ:-

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ۔

(احزاب-۱)

”اے نبی، اللہ سے ڈرو اور ان کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مانو“

پھر گذشتہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کو نہ صرف یہ کہ اپنا ہمراز و دمساز (ولی) نہ بنانا چاہیئے، بلکہ ان کی مدد بھی قبول نہ کرنی چاہیئے، خواہ نصرت و اعانت کی کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ جہاد کا وقت سب سے سخت وقت کہا جا سکتا ہے، لیکن حکم ہے کہ جو لوگ عملاً موقع پرست، منافق اور دشمنِ دین ثابت ہو چکے ہیں انہیں کبھی جہاد میں عام مسلمانوں کے ساتھ نہ شریک کیا جائے۔ کیونکہ اگرچہ ان کی شرکت سے بظاہر مسلمانوں کی جمعیت بھاری، اور ان کی قوت زیادہ نظر آئے گی، لیکن دراصل ان کی شرکت مفادِ اسلام کے حق میں زہر ہوگی۔ وہ میدانِ جہاد میں بھی اپنی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے باز نہ آئیں گے اور اسلامی جماعت کی کمزوری اور پراگندگی ہی کا سبب بنیں گے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَّا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَ اَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ یَبْغُوْنَکُمُ الْفِتْنَۃَ۔ (توبہ-۴۷)

"اگر وہ نکلتے تمہارے ساتھ تو تم میں خرابی ہی کا اضافہ کرتے اور تمہارے درمیان سرگرمی دکھلاتے فتنے کی تلاش میں۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں، جو غزوۂ تبوک کے سخت آلام و مصائب کا اندازہ کر کے گھر بیٹھ رہے تھے، حکم صادر کیا کہ :۔

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ. (توبہ-۸۳)

"اے نبیؐ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ و سلامت ان منافقوں کے کسی گروہ میں واپس لے جائے اور یہ آیندہ کسی موقع پر جنگ کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو ان سے کہنا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلنے پاؤ گے، اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑنے پاؤ گے۔ تم نے پہلی مرتبہ (میرے ہمراہ جنگ کے لئے چلنے کے بجائے) گھر بیٹھ رہنے کو پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔"

ان سے الگ تھلگ رہنے میں اتنی شدید احتیاط برتنی چاہیئے کہ اگر کبھی ان کی طرف سے بظاہر کسی نیک کام کی تحریک ہو تو اس سے بھی تعاون نہ کیا جائے۔ اور اگر اس "نیک" تحریک کی تہ میں کوئی شیطنت جھلکتی نظر آجائے تب تو اس کی تمام ظاہری خوبیوں اور چمک دمک کے باوجود اس کی علی الاعلان سخت مخالفت کرنی چاہیئے۔ غور فرمایئے مسجد کی حرمت مسلمانوں کی نگاہ میں کتنی زیادہ ہے اور اس کو بنانے اور آباد کرنے کی سعی کتنی مشکور اور محمود؟ مگر جب شیطان کے ایجنٹوں نے اسی مقدس

اور محترم شے کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہا اور نیکی و احسان کے بڑے بڑے دعوؤں کے ساتھ مسجد قباؔ کے مقابلہ میں ایک اور مسجد بنا کر کھڑی کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مٹی اور پتھر کی اس عمارت کو، جسے یہ منافق مسجد کہتے ہیں نیکی کا مرکز نہ سمجھنا، یہ نام نہاد مسجد تو شر کا مجسمہ ہے، جس کی بنیاد دین عداوتِ حق کے جذبات پر اٹھائی گئی ہیں جس کی تعمیر غضبِ الٰہی کی زمین پر ہوئی ہے اور جس کا رُخ ٹھیک باب جہنم کی طرف ہے۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔ (التوبہ-۱۰۹)

"کیا جس نے بنیاد رکھی اپنی خدا کے خوف اور رضامندی پر، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی ایک گرتی ہوئی کھائی کے کنارے پر جو اُسے لے گرا جہنم کی آگ میں۔"

اس لئے مسجد کے نام اور اس کے احترام و تقدس کے دھوکے میں نہ آؤ تمہیں اس سے کسی قسم کا تعلق نہ ہونا چاہیئے، یہاں تک کہ اس میں تم کو کبھی نماز بھی نہ پڑھنی چاہیئے۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔ (التوبہ-۱۰۸)

"تم کھڑے نہ ہو اس میں کبھی۔"

اس ترکِ تعلق کی آخری حد یہ ہے کہ ایسے منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے بھی نبیؐ کو منع کر دیا گیا :۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۔

(توبہ - ۸۴)

"اور ان منافقوں میں سے اگر کوئی مر جائے تو کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (دعائے مغفرت کرنے کے لئے) کھڑے ہونا"

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی جیسے منافق کی بھی آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ اسی موقع پر یہ حکم آیا اور اس کے آنے کے بعد آپ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی۔

یہاں تک جو احکام بیان ہوئے، ان کی نوعیت منفی قسم کی ہے، اور یہ اس پورے طبقے کے یعنی ان تمام منافقین کے حق میں نافذ ہوں گے جو اسلام اور کفر دونوں کی ماہیت سمجھنے کے بعد کفر کی عقیدت اور پیروی اختیار کریں اور خفیہ یا علانیہ اسلام کے مقابلہ میں کفر کو تقویت دیں، اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں، خواہ ان کے نفاق کا محرک اصلی کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ رہا مثبت احکام کا سوال، یعنی یہ بات کہ ان سے الگ تھلگ ہو رہنے اور انہیں اپنی جماعت سے عملاً خارج کر دینے کے بعد ان کے ساتھ اثباتی طرز عمل کیا اختیار کیا جائے گا؟ تو قرآنی احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لحاظ سے اس طبقہ کے منافقوں میں تفریق کی جائے گی۔ اگرچہ اپنی باطنی خباثت، اپنے مخفی کفر اور اپنی اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو یہ سب ایک ہی جماعت ہیں، لیکن جس طرح تمام کفار اپنے مشرکانہ عقائد اور کافرانہ اعمال کے لحاظ سے ایک ملت ہونے کے باوجود دو مختلف حیثیتیں رکھتے

ہیں، بعض تو کھلے دشمن (محارب) قرار پاتے ہیں اور ان سے کسی قسم کا ربط وضبط روا نہیں، اور بعض ایسے نہیں ہوتے، بلکہ ان سے عام معاشرتی تعلقات رکھنے اور حسن سلوک سے پیش آنے کی اجازت ہے، اسی طرح اس طبقہ کے منافقین میں بھی فرق مراتب ہے:۔

ایک تو وہ منافقین ہیں جو اسلام دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے ہوں، ان کی ساری سرگرمیاں اسلام کی بیخ کنی کے لئے وقف ہوں اور وہ کفر و اہل کفر کی علی الاعلان یا پوشیدہ طور سے وفادارانہ خدمات بجا لا رہے ہوں۔

ان کے متعلق شروع میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ تنبیہ نازل کی تھی کہ:۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۔

(الاحزاب - ۶۰ - ۶۱)

"اگر یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اے پیغمبر ہم تمہیں ان کے خلاف ایک دن ضرور بھڑکا دیں گے پھر وہ مدینے کے اندر تمہارے پڑوس میں چند دن سے زیادہ ٹھیرنے نہ پائیں گے، ہر طرف سے ان پر پھٹکار پڑ رہی ہوگی اور جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔"

کچھ مدت گذرنے پر یہ تنبیہ اور تہدید اس حکم دائمی کی شکل میں نافذ کر دی گئی:۔

فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا۔ (النساء/۹۱)

"اگر یہ فتنہ پرداز منافق تم سے کنارہ کش نہ رہیں نہ تمہیں صلح و آشتی کا پیغام دیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی ملیں اور (منافقوں میں سے) یہی وہ گروہ ہے جس کے خلاف ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا گیا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ (سورہ توبہ-۷۳، نیز سورہ تحریم-۹)

"اے نبی، کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔"

گویا اس قسم کے منافق محارب ہیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو برسرِ جنگ کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دوسرے وہ منافق ہیں جو اگرچہ اسلام کے نہ عقیدت مند ہوں نہ بہی خواہ، مگر اس سے ان کی مخالفت عملاً اس طرح نہ ظاہر ہوتی ہو جس طرح کہ پہلے گروہ کی ظاہر ہوتی ہے، اور نہ وہ اسلام کے دشمنوں کی اعانت کرتے ہوں۔ ان کے معاملہ میں اگرچہ بائیکاٹ اور عدم موالات کے ان تمام منفی احکام پر عمل کیا جائے گا جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن انہیں محارب نہ قرار دیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔

جیسا کہ خود مذکورہ بالا آیات کے انداز بیان سے مستنبط ہوتا ہے۔ کیونکہ منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیتے ہوئے ایک شرط بھی عائد کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ (الاحزاب-۶۰) (اگر یہ منافق اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آئے) اور یہ کہ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ (النساء-۹۱) (اگر یہ تمہاری مخالفت نہ چھوڑیں اور تم سے صلح کے طالب نہ ہوں اور تمہارے مقابلہ سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں) جس سے معلوم ہوا کہ ان کے خلاف جنگی پالیسی اسی وقت اختیار کی جائے گی جب وہ خود اسلام کی عملی مخالفت کریں اس کے علاوہ ایک مستقل آیت میں اسی طرح کے منافقوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا۔ (النساء-۶۳)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے راز اللہ خوب جانتا ہے، پس اے پیغمبر ان سے کوئی تعرض نہ کرو، انہیں (ان کے انجام سے ڈرا کر) نصیحتیں کرو اور دل نشین پیرایہ میں سمجھاؤ۔"

اس آیت سے دونوں گروہوں کا فرق اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ عداوتِ اسلام میں سرگرمی نہ دکھانے والے منافقوں سے صرف چشم پوشی ہی نہ کی جائے گی بلکہ انہیں نصیحتیں بھی کی جائیں گی۔ کیونکہ اصلاً اسلام ایک دعوتِ خیر ہے، پیامِ جنگ نہیں ہے۔ اس لئے وہ امکانی سعی کی آخری حد تک جانے کا حکم دیتا ہے۔ پس جس رحمتِ دو عالم نے پتھروں کی بارش اور تلواروں کے سایہ میں بھی اپنی داعیانہ حیثیت کو کبھی فراموش نہیں کیا اسے ان منافقوں کو اخلاص

و صداقت کی طرف برابر بلاتے ہی رہنا چاہیئے تھا، تا آنکہ امکانِ کامیابی کی آخری آس بھی ٹوٹ جائے، جیسا کہ پہلے گروہ کا حال ہوتا ہے۔ لیکن اس وعظ و پند کا اور ان کی نفاق پروری سے صرف نظر کر لینے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ۔ (المنافقون-۴) (یہی منافق تمہارے اصلی دشمن ہیں، پس ان سے خبردار رہو۔) کی حدود سے باہر ہیں یا وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ۔ (الاحزاب-۴۸) (اور مت کہا مانو تم کافروں اور منافقوں کا۔) کے حکم سے مستثنیٰ ہیں، یا لَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا۔ (النساء-۸۹) (اور مت بناؤ انہیں دوست اور مددگار) کی تنبیہ سے خارج ہیں۔

یہ ہیں تو بہرحال طبقہ اول ہی کی شاخ۔ لہٰذا سوشل بائیکاٹ کے احکام وہدایات کے سلسلہ میں تو یہ سرگرم عناد منافقوں کے ساتھ ہی رکھے جائیں گے، فرق صرف اتنا ہے فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ۔ (النساء-۹۱) (پس انہیں پکڑو اور قتل کرو) کی زد ان پر نہیں پڑتی، اور افہام و تفہیم کا دروازہ بھی ان کے لئے کھلا رکھا گیا ہے، باقی ہر حیثیت سے عام مسلمانوں کو اس قسم کے منافقوں کے ساتھ عدم موالات کی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہیئے جس کی توضیح سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو ـــــ خدا کی سنت کے مطابق ـــــ نفاق، کور باطنی اور بے ضمیری کا زنگ آہستہ آہستہ ان کے آئینۂ قلب پر بھی چڑھنے لگے گا۔ اور ایک وقت آئے گا کہ ایمان کی ساری روشنی اس کے نیچے مستور ہو جائے گی۔

(۲) دوسرے طبقہ (عملی منافقین) کے بارے میں اگرچہ قرآن نے زیادہ تفصیلات نہیں دی ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک بنیادی اصول اس

نے ایسا بیان کر دیا ہے جو ضروری تفصیلات کے سلسلے میں رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ جو لوگ ایمان کا دعویٰ تو کر چکے تھے لیکن جب ہجرت کا موقع آیا تو وہ اس قربانی کے راستہ میں پیچھے رہ گئے، ان کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ط (انفال-۷۲)

"جو لوگ ایمان تو لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہ کی ان کی ولایت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ بھی تمہاری طرح ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملہ میں وہ تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے بشرطیکہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا کوئی معاہدہ ہو چکا ہو"

اس ارشاد قرآنی میں ان کی حیثیت بالکل بے نقاب کر دی گئی ہے، یعنی یہ کہ "حزب اللہ" (ملّتِ اسلامی) کے باضابطہ ممبر وہ کبھی نہیں ہو سکتے، اسی طرح جس کہ پختہ کار منافقین نہیں ہو سکتے، نیز عام مسلمانوں میں اور ان میں "موالات" کا رشتہ نہیں، جس طرح کہ پہلے طبقے کے ساتھ ان کا کوئی "رشتۂ موالات" نہیں۔ لیکن اس اشتراکِ لفظی کے اندر بھی اختلافِ معنیٰ کی جھلک موجود ہے، اور آیت کے مختلف ٹکڑے صاف بتا رہے ہیں کہ اس عدم موالات میں اور اس قطع تعلقات میں جس کا طبقۂ اولیٰ کے منافقوں کے بارے میں حکم ہوا ہے، بہت بڑا فرق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ بھی باضابطہ حزب اسلامی میں شمار نہیں ہوں گے، بعینہٖ اسی طرح جس

طرح کہ طبقۂ اولیٰ کے منافقین ملت کے رکن نہیں سمجھے جا سکتے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی طرح قانونی طور پر انہیں ملتِ کفر میں نہیں سمجھا جائے گا نہ ان پہ سختی کی جائے گی، نہ ان سے قتال کیا جائے گا، نہ انہیں قتل اور گرفتار کیا جائے گا۔ بلکہ اگر وہ ان کفار کے خلاف، جن کے نرغہ میں وہ گھرے ہوئے ہوں، امداد طلب کریں اور اس امداد کے ذریعہ حلقۂ کفر سے اپنے کو نجات دلانا اور حقیقی اسلامی زندگی بسر کرنے کے لئے آزاد ماحول پیدا کرنا چاہیں تو حزبِ اسلامی پہ ان کی اعانت فرض ہے، بشرطیکہ کافروں کی وہ قوم جس کے خلاف یہ ضعفاء ایمان مدد مانگ رہے ہیں، ملتِ اسلامیہ کی معاہد قوم نہ ہو۔

اسی طرح عام انسانی سلوک اور حسنِ معاشرت کے لحاظ سے یہ لوگ بہت زیادہ توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں، اور مسلمانوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ ان پاشکستہ اور کم ہمت انسانوں کو جو ایمان کی صبر آزما گھاٹیوں میں تھک کر بیٹھ گئے ہوں، ہر ممکن سہارا دیں، انہیں ایمان کے مقتضیات سے بار بار آگاہ کریں، وعظ و پند کے ذریعہ انہیں ان کی زندگی کا حقیقی مشن اور انسانیت کا فرضِ منصبی یاد دلائیں، ضعفِ ایمان کے دنیوی اور اخروی خسران سے ڈرائیں یہی حکمتِ عملی قرآن حکیم نے ان کے متعلق اختیار کی تھی۔ اس نے کبھی بھی ان سے لڑنے بھڑنے یا انہیں قتل کرنے یا ان سے یکسر تعلقات منقطع کر لینے کی تلقین نہیں فرمائی۔ بلکہ جب کبھی ان کو اس نے مخاطب کیا، ہر مرتبہ انہیں عذابِ آخرت کی ہولناکیاں یاد دلا کر متنبہ کیا کہ اس حالت سے، جو حالتِ نفاق ہے، نکلو اور پوری طرح شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرو، ورنہ دوزخ کی سختیاں جھیلنے کے لئے آمادہ رہو۔ چنانچہ یہی آیت جس میں مکہ سے ہجرت نہ کرنے والے ضعفاء کا ذکر

ہے، اس میں ان کے انجام کے متعلق قرآن نے صرف اتنا ہی کہہ کر خاموشی اختیار کر لی ہے کہ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ۔ (النساء۔ ۹۷) (ان کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا) اس کے آگے اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اسی جگہ اگر اعتقادی منافقوں کا تذکرہ ہوتا تو صرف اسی وعید پر اکتفا نہ کی جاتی، بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا جاتا کہ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ (النساء۔ ۹۱) (ایسے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کرو) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ۔ ۷۳) (کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)۔

اور یہ جو انہیں بار بار عذابِ قیامت سے ڈرایا جاتا تھا تو اس کی حکمت یہی تھی کہ جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی ہو وہ کفر کی تاریکیوں سے پورے پورے باہر نکل آئیں اور ہمہ تن مسلم بن جائیں، اور ایمان میں جو بنیادی خامی رہ گئی ہے، آخرت کے ہولناک تصور سے وہ دور ہو جائے۔ یہی حکمتِ اصلاح و تبلیغ آج بھی سچے مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے۔ ہاں یہ احتیاط رہے کہ مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ کے تقاضے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں، جو بے شمار حکمتوں اور دانائیوں کے حامل ہیں۔ باوجود ہر طرح کی ہمدردی اور شدتِ اعتناء کے یہ لوگ اس کے سزاوار ہرگز نہیں ہیں کہ انہیں حزب اللہ کا رکن سمجھا جائے اور انہیں وہی جماعتی اور سیاسی حقوق دیئے جائیں جو حقیقی مسلمانوں کا حصہ ہیں۔ نہیں، نہ تو امت کے جماعتی حقوق سے یہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں، نہ انہیں نظم و نسقِ ملی میں کسی طرح شریک بنایا جا سکتا ہے، اور نہ جماعتی رموز و مصالح کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور ان میں سے کسی کو ملت کا قائد بنانے کا تو اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ملی ہلاکت کے محضر نامے پر دستخط نہ کر دیئے جائیں۔

دورِ حاضر

اور نفاقِ عقیدہ و عمل

دورِ نبوی کے بعد نفاق کا امکان

نفاق سے متعلق یہ ساری بحثیں یا تو اصولی حیثیت رکھتی ہیں، یا پھر ایک ایسی گذری ہوئی داستاں کی، جو تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس پرانی ہو چکی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان کا ہماری زندگی سے براہ راست کیا واسطہ ہے؟ بالفاظ دیگر کیا دورِ نبوی کے بعد بھی عملاً نفاق پایا جا سکتا ہے، جو ان سارے اصولی مباحث اور گذرے ہوئے حقائق کو ہمیں نگاہ میں رکھنے کی ضرورت ہو؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ کیونکہ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تب تو یہ ساری بحثیں ہمارے لئے مفید اور ضروری ہیں، ورنہ بصورتِ دیگر ان کی حیثیت بس ایک تاریخی اور علمی بحث سے زیادہ کچھ نہیں۔ جس کو پڑھ کر ہم یہ تو جان سکتے ہیں کہ دورِ نبوت میں کافر و مسلم کے سوا ایک عجیب و غریب تیسری قسم بھی انسانوں کی موجود تھی، جس کا نام "منافق" تھا اور جس کے اندرونی چہرے کے خط و خال یہ تھے، لیکن ہماری عملی زندگی کو اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے اس سوال کی اہمیت معمولی نہیں، بلکہ فی الواقع یہی سوال اور اس کا جواب ہماری اس پوری بحث کا حاصل ہے۔ لہذا ضروری

ہے کہ اس پر اچھی طرح غور کر لیا جائے۔

اس سوال کے تین ہی جواب ممکن ہیں:۔

(۱) دورِ نبوت کے بعد کسی نفاق کا وجود ممکن نہیں۔

(۲) نفاقِ عمل تو پایا جا سکتا ہے مگر نفاقِ عقیدہ نہیں۔

(۳) دونوں قسم کے نفاق موجود ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب اتنا غیر معقول ہے کہ آج تک کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکا۔

دوسرے جواب کو ایک بہت بڑی تعداد تسلیم کرتی ہے۔ مگر یہ دراصل اس کی اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے جو محرکاتِ نفاق کے جائزے میں اس کو لاحق ہوئی۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ لوگ نفاقِ عقیدہ کی قبائے مکر صرف اس وقت اوڑھتے تھے جب اسلام ایک با اقتدار قوت بھی تھا اور اس کی حدودِ فرماں روائی میں غیر مسلم ہونے کے معنی یا تو یہ تھے کہ آدمی جزیہ گذار ذمی بن کر رہے، یا پھر یہ کہ وہ اپنے جانی حقوق سے محروم ہو جائے۔ لیکن جب سے اسلام کی اس پوزیشن میں عملاً فرق آگیا ہے، غیر مسلموں کی یہ "مجبوری" ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے اب اعتقادی منافقت کا کوئی سبب موجود ہی نہیں رہا کہ لوگ اس میں مبتلا ہوں، یہ رائے درست قرار دی جا سکتی تھی اگر یہ ایک امرِ واقعہ ہوتا کہ اعتقادی منافقت کا یہی ایک سبب اور محرک ہو سکتا ہے۔ مگر جب حقیقت کی شہادت اس کے خلاف ہے اور یہ اسباب و محرکات متعدد ہیں، جیسا کہ ابتداء میں ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں، تو صرف ایک سبب کے ختم ہو جانے سے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اب نفاقِ عقیدہ کا امکان ہی فوت ہو گیا۔ شیطان کے جیبوں ہاتھوں میں سے اگر ایک ٹوٹ بھی گیا تو کون ہوشمند اسے اس وقت اپاہج گمان کر

لے گا؟ اس حقیقت کے پیش نظر یہ تو ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اعتقادی منافقین کی فلاں خاص قسم اسلام کے اس دورِ غربت میں نہیں پائی جا سکتی، لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اب سرے سے ان کی فصل ہی اُگنی بند ہو گئی ہے۔

غرض تیسرا جواب ہی مذکورہ بالا سوال کا صحیح جواب ہے، یعنی امت جس طرح اعتقادی اور عملی دونوں قسم کے منافقوں سے عہدِ نبوی میں محفوظ و مامون نہیں تھی اسی طرح آج بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نفاق کی حقیقت اور اس کی اقسام بیان کرنے کے بعد، جس کو ہم دوسرے باب میں نقل بھی کر آئے ہیں، فرماتے ہیں:۔

ونفاق اوّل بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نتواں دانست کہ از قبیل علم غیب است و بر مرکوز قلب اطلاع نتواں یافت۔ ونفاق ثانی کثیر الوقوع لاسیما در زمانِ ما۔ و اشارہ بہمیں نفاق است آنچہ در حدیث آمدہ، ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ وَهَمُّ الْمُنَافِقِ بَطْنُهُ وَهَمُّ الْمُؤْمِنِ فَرَسُهُ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْاَحَادِيْثِ۔

"نفاق کی پہلی قسم کا دورِ نبوت کے بعد علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق غیب سے ہے، اور دلوں کے راز سے واقفیت حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر دوسری قسم کا نفاق ہر زمانہ میں کثرت سے پایا جا سکتا ہے اور پایا گیا ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں (اس کی گرم بازاری کچھ ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے) اور اسی نفاق کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جس میں فرمایا گیا ہے کہ تین باتیں جس کے اندر پائی جائیں وہ پکا منافق ہوگا: گفتگو میں جھوٹ بولے، وعدہ کرکے اس کو پورا نہ کرے،

جھگڑے تکرار میں گالم گلوچ پر اتر آئے۔ منافق کی نگاہ اپنے پیٹ پر مرکوز ہوتی ہے اور مومن کی نگاہ اپنے جہاد کے گھوڑے پر۔" اس طرح کی اور بہت سی حدیثیں ہیں۔

خدائے تعالیٰ اعمال و اخلاق ایشاں را در قرآن عظیم آشکارا ساخت و از احوالِ ایں دو گروہ چیزے بسیار بیان فرمود تا ہمہ امت ازاں احتراز نمایند۔ و اگر خواہی از منافقاں نمونہ ببینی برو در مجلس امراء و مصاحبان ایشاں را ببیں کہ مرضیِ ایشاں را بر مرضی شارع ترجیح مے دہند و از انصاف ہیچ فرق نیست درمیان آنانکہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے واسطہ شنیدہ نفاق ورزیدند و درمیان آنانکہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے واسطہ شنیدہ نفاق ورزیدند و درمیان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند و بطریق یقین حکم شارع معلوم کردہ اند بعد ازاں بر ایثارِ خلافِ آں اقدام مے نمایند و علیٰ ہذا القیاس جماعۃ از معقولیاں کہ شکوک و شبہات بسیار بخاطر دارند و معاد را نسیاً منسیاً ساختہ اند نمونہ آں گروہ اند۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان منافقوں کے اعمال اور اخلاق کی پوری طرح پردہ کشائی فرمائی ہے اور دونوں قسم کے اہل نفاق کے احوال کثرت سے بیان کئے ہیں تاکہ امتِ مسلمہ اس طرح کی باتوں سے کشاں رہے۔ اگر تم منافقوں کی مثال دیکھنی چاہو تو امراء کی مجلسوں میں جاؤ اور جاکر ان کے ان مصاحبوں کو دیکھو جو ان کی مرضی کو شارع کی مرضی پر مقدم رکھتے ہیں از روئے انصاف کوئی فرق نہیں ان لوگوں میں جنہوں نے براہ راست آنحضرتؐ سے آپ کا پیغام سن کر نفاق اختیار کیا اور ان لوگوں میں جو آج کل اس مرض کے مریض ہیں اور جن تک

یقینی ذرائع سے شارع کا حکم پہنچ چکا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس کے خلاف قدم اٹھانے میں بے باک ہیں۔ اسی طرح معقولیوں کا وہ گروہ بھی جس کا ذہن شکوک وشبہات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور جو فکرِ آخرت کو طاقِ نسیاں پر رکھے ہوئے ہے، اسی جماعت منافقین کا نمونہ ہے۔"

بالجملہ چوں قرآن بخوانی گمان مکن کہ مخاصمہ با قومے بود کہ بودند و درگذشتند بلکہ بحکم حدیث لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ہیچ بلائے نبود مگر امروز نمونہ آں موجود است پس مقصود اصلی بیان کلیات آں مقاصد است نہ خصوصیات آں حکایات۔ (الفوز الکبیر ص۱۱-۱۲)

"خلاصہ یہ کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ گمان نہ کرو کہ اس کا ردّ وکد صرف ایسے لوگوں سے متعلق ہے جو پہلے (نزول قرآن کے وقت) تھے اور اب گذر چکے ہیں، بلکہ (یقین رکھو کہ) کوئی بلائے فسق وضلالت ایسی نہیں جو پہلوں میں موجود رہی ہو اور آج نہ پائی جاتی ہو، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ تم "اپنے پچھلوں کے قدم بقدم چل کر رہو گے"، پس قرآن کا اصل مقصد اس ردّ وکد اور بحث وتنقید سے ان حقائق کی اصولی تشریح ہے نہ کہ ان متعین واقعات کی خصوصیات کا بیان۔"

یاد رہے کہ کسی بات کا "علم نہ ہو سکنا" اور چیز ہے اور "موجود نہ ہونا" اور شے۔ اس لئے اگر حضرت شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ "نفاق اوّل (یعنی نفاق عقیدہ) کا دورِ نبوت کے بعد علم نہیں ہوسکتا"، تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ اب ایسا نفاق سرے سے وجود ہی میں نہیں آسکتا، بخلاف اس کے یہ تو اس حقیقت کا

اعلان و اعتراف ہے کہ یہ نفاق پایا تو جا سکتا ہے اور پایا جاتا ہوگا، مگر ہمیں آپ کو اس کا اشخاص کے تعین کے ساتھ علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق تمام تر نیت سے ہے، اور نیتوں کا حال سوائے اللہ کے کسی کو نہیں معلوم۔

دورِ حاضر میں نفاق کا وجود

جب اصولاً یہ بات طے شدہ ہے کہ منافقت کچھ آغازِ اسلام ہی کی مخصوص بیماری نہیں تھی، بلکہ وہ ہر دَور میں پائی جا سکتی ہے۔ تو یقیناً اس کے امکان سے ہمارا اپنا زمانہ بھی خالی نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا ہمارے دور میں اور ہمارے معاشرے کے اندر بھی واقعتہً یہ روگ موجود ہے؟ اگرچہ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب حالات کے پردے پر جلی حرفوں میں نقش ہے، تاہم وہ کچھ اتنا ناخوش گوار ہے کہ اس پر نگاہیں ڈالتے ہوئے بھی ہم گھبراتے ہیں اور چشم پوشی کی ریگ میں سر چھپا کر دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ گویا کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ خطرات اور مہالک سے آنکھیں بند کر لینا اپنے ساتھ دوستی نہیں بلکہ دشمنی ہے اور ایک طرح کی معصوم خودکشی۔ اس لئے آئیے ذرا ہمت کر کے اپنے حالاتِ دروں کا جائزہ لے دیکھیں کہ ہمارے معاشرے کے افراد اپنے افکار، اپنے اقوال اور اپنے کردار کی زبان سے اپنی کس باطنی کیفیت کی گواہی دیتے ہیں:-

(۱) نفاقِ عقیدہ کی شہادتیں

اس معاشرے میں ایسے نام نہاد "مسلمان" ہر گوشے میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو علانیہ اللہ اور رسول کا مذاق اڑاتے ہیں، جن کا ذوقِ تجدد اس وقت تک تسکین

ہی حاصل نہیں کرتا جب تک وہ نماز اور روزے پر پھبتیاں نہ کس لیں، جو شراب اور سود اور جوئے کی حرمت کو دقیانوسیت اور بے عقلی کا جنون ٹھیراتے ہیں، جو کتاب و سنت کی انکاری تسلیم کرنے سے صاف منکر ہیں، جو اسلامی تعزیرات کو وحشت و بربریت کا نام دیتے ہیں، جو شریعت کے منصوص احکام تک کو تیرہ سو برس کی پرانی یادگاریں قرار دیتے ہیں ـــــ زبانِ حال سے نہیں، بلکہ اس زبان سے جو انسانی جبڑوں کے درمیان ہوتی ہے۔

اس معاشرے میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو بلا کسی جھجک کے رواج کو شریعت پر ترجیح دیتے ہیں، صرف عملاً ہی نہیں بلکہ قولاً بھی۔

پھر اس معاشرے میں اسلام کے وہ "علمبردار" بھی ہیں جو پورے شرحِ صدر کے ساتھ غیر اسلامی افکار و نظریات پر ایمان لا چکے ہیں، اور اس غلاظت کو اس کے اندر بکھیرتے رہنے ہی کو اپنی زندگی کا مقصدِ وجید ٹھیرائے ہوئے ہیں۔

حتیٰ کہ اس معاشرے میں وہ لوگ بھی گھسے رہنے پر مصر ہیں جن کا اپنا ایک الگ اور مستقل مرکزِ اجتماع ہے، جو اس مرکز کو مرکزِ اجتماع نہ ماننے والوں کو کھلا کافر سمجھتے ہیں اور جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا آخری اور کلی ہادی، شارع اور مقتدا سمجھنے والوں کی نماز جنازہ تک پڑھنے کے روادار نہیں۔ مگر بایں ہمہ جمہوریت کے قانون نے جب انہیں یہ سمجھایا کہ ایسے بنیادی اختلافِ عقیدہ کے بعد مسلمانوں کے اندر تمہیں وہ حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جو ایک مسلمان ہی کے لئے مخصوص ہیں، تم نہ ان کے سربراہ کار بن سکتے ہو، نہ ان کے گورنر اور وزیر بن سکتے ہو، نہ تمہیں کوئی وہ کلیدی [illegible] اسلامی حاصل ہو سکتی ہے، تو انہوں نے گھبرا کر وحدتِ ملت کا نعرہ لگایا [illegible] یا اور دنیا

کو یہ باور کرانے میں لگ گئے کہ ہمارا بھی اسی ملّت اور امت سے تعلق ہے جو مسلمانوں کی ہے، ہم بھی اسی قرآن کے ماننے والے ہیں جس کو ساری امت مسلمہ مانتی ہے اور اسی طرح سے مانتے ہیں جس طرح وہ، ہمارا دوسرے مسلمانوں سے کوئی بنیادی اختلاف نہیں، پس ہمیں امت سے الگ سمجھنے والے اسلام اور ملّت دونوں کے دشمن ہیں۔ —— حالانکہ اس مظاہرۂ اتحادِ ملّی کا مقصدِ اصلی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ملّت کے عام حقوق پر انہیں چھاپے مارتے رہنے کا موقع حاصل رہے۔

کیا یہ اور اسی طرح کی دوسری باتیں اس حقیقت کا ثبوت نہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر کافی تعداد میں ایسے دل و دماغ موجود ہیں جن میں نفاقِ عقیدہ کا زہر سرایت کئے ہوئے ہے؟ یقیناً یہاں آپ یہ صفائی نہیں پیش کرسکتے کہ یہ باتیں عمل سے تعلق رکھتی ہیں، اور عمل کی خرابیاں نفاقِ عمل کا ثبوت تو بن سکتی ہیں لیکن نفاقِ عقیدہ کا ثبوت نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ ایمان اور عمل منطقی طور پر ایک دوسرے سے لاکھ الگ سہی مگر ان میں باہم ہرگز اتنی بیگانگی بھی نہیں کہ کسی حال میں بھی عمل، ایمان کے بارے میں کوئی شہادت نہ دے سکے۔ آخر عمل، عمل میں بھی تو فرق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر عمل ایمان کے بارے میں شاہد نہیں بن سکتا، مگر بعض اعمال یقیناً ایسے ہوتے ہیں جو ایمان کے خلاف شاہدِ عدل بن سکتے ہیں، یعنی ان کی موجودگی میں ایمان کی متاعِ لطیف موجود نہیں رہ سکتی۔ ہم نے جن ناگفتنی باتوں کا ابھی ذکر کیا ہے ان پر نظر ڈالئے اور غور فرما کر بتائیے کہ ان میں کون سی چیز ایسی ہے جس کے ساتھ ایمان و اخلاص کی ہستی بدستور برقرار رہ سکتی ہے؟ کیا خدا اور پیغمبر، دین اور شریعت، آیات و احادیث، نماز اور روزے کا تمسخر کرکے کوئی آدمی مومن باقی رہ سکتا ہے؟ کیا شریعت کے مقابلہ میں رواج کو قابلِ ترجیح قرار دینے کے

بعد بھی اسلام سے رشتہ جوں کا توں قائم رہ سکتا ہے؟ کیا قوانینِ شرع کو وحشت و بربریت کے قانون کہنے کے باوجود ایمان کا دعویٰ کوئی وزن رکھ سکتا ہے؟ پھر اگر ایسی حرکتیں کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں تو کیا حقیقت بھی ان کے اس دعویٰ کی تصدیق کرے گی؟ سطحِ زبان پر کیا کچھ ہے، بحث اس سے نہیں بحث صرف اس چیز سے ہے کہ حلق کے نیچے کیا ہے اور ان حرکات کی موجودگی میں کیا ہو سکتا ہے؟

کہا جائے گا کہ حلق کے نیچے جو کچھ ہوتا ہے اس کا ہمیں کیا علم! جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے۔ لیکن بھولنا نہ چاہیئے کہ یہ بات ہر حال میں ضروری نہیں۔ بعض حالات یقیناً ایسے ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں بعض چیزوں کے وجود پر جزم کے ساتھ رائے قائم کی جاسکتی ہے، اور مذکورہ بالا حالات اسی نوع کے ہیں۔ جہاں تک حضرت شاہ صاحبؒ کے قول کا تعلق ہے وہ صرف عام حالات کے پیشِ نظر ہے، ہر حال پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا —— دراصل ان کے زمانے میں مسلمانوں کا دینی، اعتقادی اور اخلاقی زوال جس حد تک پہنچ سکا تھا اس کی بنیاد پر وہ اس سے زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر ادھر مزید دو صدیوں سے یہ زوال جتنا "عروج" حاصل کرگیا ہے اس کے اندر بعض اوقات اعتقادی منافقین کی بھی متعین طور سے نشان دہی ہرگز ناممکن نہیں رہی۔ اس لئے نہیں کہ "معاذ اللہ" اب بندوں کو علمِ غیب حاصل ہوگیا ہے، بلکہ اس لئے کہ یہ نفاق اب کبھی کبھی ایسا نفاقِ "بواح" (ظاہر و باہر) ہو جاتا ہے کہ اس کے جاننے کے لئے علمِ غیب کی ضرورت ہی نہیں۔

(۲) نفاقِ عمل کی شہادتیں

رہا نفاقِ عمل کا معاملہ، تو مذکورہ بالا اعمالِ نفاق میں سے ایک ایک شے کو لے کر اس معاشرے کے افکار و اعمال میں اس کا سراغ لگاتے اور دل پر جبر کرکے "ہیچ بلائے نہ بود مگر امروز نمونہ آں موجود است" کا نظارہ جاں کاہ کرتے جائیے۔ آپ پائیں گے کہ:-

اس معاشرے میں آج نصف سے زائد آبادی اپنے لئے نماز جیسے مرکزی حکم شرع کو عملاً منسوخ قرار دے چکی ہے۔ اس کے حق میں اذان کی صدائیں اتنی معنویت بھی نہیں رکھتیں جتنی معنویت کہ جانوروں کے لئے ایک چرواہے کی پکار رکھتی ہے، كَالَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً۔ (البقرہ-۱۷۱) (گویا کہ وہ پکارتا ہے ایسی چیز کو جو نہیں سنتی سوائے پکارنے اور چلانے کے) اب اس کے لئے مسجد کی حاضری اور جماعت میں شرکت کا سوال تو کوئی سوال ہی نہیں رہا جب کہ وہ سرے سے نماز کے بندِ غم ہی سے آزاد ہے، حتیٰ کہ نماز میں الکساتے ہوئے (کسالیٰ) آنے کی زحمتوں سے بھی اس کی گلو خلاصی ہو چکی ہے "تین جمعے" نہیں اگر سینکڑوں جمعے گذر جائیں تو اسے مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہ جمعے کتنے فرائض کا پیغام دے گئے اور غافلوں کو کتنی ہولناک وعیدیں سنا گئے۔

اس معاشرے کی بہت بڑی اکثریت زکوٰۃ و عشر کی پابندیوں سے بے نیاز ہے۔ پیدائش اور شادی اور موت کی رسموں پر نام نمود کی خاطر خرچ کرنے کے لئے تو اس کے دونوں ہاتھ کھل جاتے ہیں مگر راہِ خدا میں ڈھائی فی صدی دینے کا جب نام آتا ہے تو اس کا دل اندر سے بیٹھنے لگتا ہے، اور اگر کبھی بعض اسباب نے "کچھ" ادائے

فرض" پر مجبور کر ہی دیا تو چہرے کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ اسے دیکھتے ہی يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَغْرَمًا۔ (التوبہ-۹۸) (وہ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، جرمانہ سمجھتا ہے۔) کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگتے ہیں۔

اس معاشرے میں جگہ جگہ وہ سر نظر آتے ہیں جو اگر احکامِ شریعت کے آگے "دا اختیاراً" جھکتے ہیں تو اپنے حق میں فیصلہ ہوتا دیکھنے کے بعد ہی دستور یہ ہو رہا ہے کہ اگر شرع کے قوانین اپنے حق میں فیصلہ دیتے نظر آئیں تو پوری بلند آہنگی کے ساتھ دین کی اطاعت کا نعرہ لگائیے، اور اگر صورتِ حال برعکس ہو تو پوری بے باکی کے ساتھ طاغوتی عدالتوں اور قانونوں سے مدد لیتے رہیئے اور حکم شرع سنتے ہی ایک طرف کو کھسک جائیے۔

اس معاشرے میں "جھوٹ، بدعہدی، بدزبانی اور خیانت کی وہ گرم بازاری ہے کہ خدا کی پناہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان برائیوں کا ایک سیلاب سا اُمنڈ آیا ہے اور اس کے اندر پوری ملت غرق ہوتی جا رہی ہے مسلمان کا نشانِ امتیاز اس کا حسنِ اخلاق تھا، مگر آج اس کا یہ امتیاز ماضی کی داستاں بن چکا ہے، اور دوسری قوموں کے ساتھ وہ نیکیوں میں نہیں بلکہ برائیوں میں مسابقت کر رہا ہے، حتیٰ کہ کتنے ہی میدانوں میں وہ بازی بھی لے جا چکا ہے، شہادت اگر درکار ہو تو نجی مجلسوں سے لے کر بازاروں اور پھر سرکاری عدالتوں تک کا ایک سرسری جائزہ لے ڈالیے۔

اس معاشرے میں ان مسلمانوں کا قحط ہو رہا ہے جو دین کے نام پر چوٹیں کھانے سے گریزاں نہ ہوں، مرزبوم کا عشق جن کی غیرتِ ایمان کو مفلوج نہ کر چکا ہو، جو بندگیِ رب کے تقاضے سُن کر خدا کی زمین کو تنگ نہ پاتے ہوں، جو دین کی غربت پر بے غم نہ ہوں۔

بخلاف اس کے دنیا کا ہر تعلق دین کے تقاضوں سے ہمیں زیادہ عزیز ہے۔ ہم ایک معمولی قومی مفاد کے لئے شریعت کے محکم ضابطوں تک کو پس پشت ڈال دینے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مفادِ اسلام اب نام ہوگیا ہے مفادِ مسلمین کا۔ قوم، ملک، وطن، غرض ہر دنیوی رشتے کی محبت کا اظہار ہمارے لئے باعثِ فخر ہے، مگر دین کا نام لیتے ہی ہم جھجکنے اور شرمانے لگتے ہیں، مبادا کوئی ہمیں دقیانوسی ملّا یا مذہبی مجنوں کہہ دے۔ چونکہ اپنی دینی حیثیت کے برملا اعلان اور اس کی عملی ذمہ داریوں سے ہم خود بچ رہے ہیں اس لئے دین کی خاطر قربانیوں کا موقع ہی نہیں آنے پاتا، ورنہ آپ دیکھتے کہ ہمارے ملی کردار کے اسٹیج پر جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللهِ۔ (العنکبوت - ۱۰) (اس نے لوگوں کی آزمائش کو خدا کے عذاب کی طرح سمجھا ہے۔) کے مناظر کتنی کثرت سے نمودار ہو رہے ہیں۔

اس معاشرے میں دین وتقویٰ کے بجائے باقتدار کفار ومشرکین کے تقرب کو عزت کا معیار سمجھنے کا ذوق عام ہے۔ جس کا اندازہ کرنے کے لئے آپ کو اپنی تاریخ کے موجودہ باب ہی کا مطالعہ کافی ہوگا، اور اگر اس باب کے مطالعے میں کچھ دقت محسوس ہو تو پھر اس سے پہلے ختم ہونے والے باب کے اوراق کھول کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ وہاں آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ پر "ایمان لانے والے" وائسرائے بہادر سے ہاتھ ملانے کی تمنا میں عمریں بسر کئے دے رہے ہیں، اگر انہیں سری یا خان بہادری کے خطابات "سمرقند وبخارا" ہی نہیں بلکہ دین وایمان دے کر بھی نصیب ہوجائیں تو گویا دولتِ کونین ہاتھ آگئی۔ دوسری طرف کچھ اور لوگ ہوں گے جو غیر مسلم لیڈروں کے

آستانوں کا طواف کرتے نظر آئیں گے، جن کی معراجِ سعادت یہ ہے کہ وہاں انہیں وطن پرست مان لیا جائے اور جن کی دیش بھگتی کو اگر ملکی پریس نے تسلیم کرلیا تو گویا انہیں "رضا" کا مقام حاصل ہوگیا، اور اب رضوانِ جنت ان کے لئے فردوس بریں کی کنجیاں ہاتھ میں لئے منتظر کھڑا ہے۔

اس معاشرے میں جھوٹی شہرت کے دلدادوں کی بھی کمی نہیں، خصوصاً سیاسی پلیٹ فارموں پر۔ پھولوں کے ہاروں اور زندہ باد کے نعروں کی چاٹ نے "قائدین ملت" کا ایک لشکر تیار کردیا ہے جو قومی اجتماعات میں اسلام اور قرآن کا نعرہ کچھ اس زور سے لگاتے ہیں کہ پوری ملت کا نہاں خانۂ عقیدت اس کے شور سے گونج اٹھتا ہے۔ جب وہ اسلام کی خاطر اپنی رگوں کا ایک ایک قطرۂ خون بہادینے کا اعلان کرتے ہیں تو ان کے لب ولہجہ سے ابوبکر صدیق رضؓ کا اخلاص اور عمر فاروق رضؓ کا عزم وجلال ٹپکنے لگتا ہے، لیکن جب اسلام اپنے فرائض اور مطالبات لے کر انہیں ڈھونڈتا ہے تو نہیں معلوم کن "پناہ گاہوں" میں جا چھپتے ہیں کہ پھر ان کی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ ان کی نگاہ ہر چہار سو گھومتی رہتی ہے، جہاں کہیں اسلام یا مسلمانوں کی فلاح کا کوئی کارنامہ انجام پاتا ہوا دکھائی پڑا وہ لپک کر رہبری اور سربراہ کاری کے اسٹیج پر جا بیٹھنے اور مختلف تدبیروں سے اس کارنامے کا کریڈٹ اچک لینے کی سعی کرتے ہیں۔

اس معاشرے میں ایسے "مخلصین" بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا قلبی تعلق خاطر زیادہ تر ان حقوق پر قبضہ کرنے تک محدود ہے جو ملتِ اسلام کے حقوق ہیں، اور جن میں حصہ دار بننا اس بات پر موقوف ہے کہ آدمی کا نام مسلمانوں کی فہرست میں

درج ہو۔ دلوں کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ان کے عام رویے سے اسلام کی کسی واقعی عقیدت کا سراغ ملنا عموماً بڑا دشوار ہوتا ہے۔ اس وقت تو اسلام ان کا سب کچھ ہے اور وہ اول بھی مسلمان ہیں اور آخر بھی مسلمان، جب مادی مفادات کی قاشیں اسی نام سے تقسیم ہو رہی ہوں، لیکن اس وقت کے گذر جانے پر وہ سب کچھ تو نظر آسکتے ہیں مگر "اول بھی مسلمان اور آخر بھی مسلمان" یقیناً نظر نہیں آسکتے۔

اس معاشرے میں ضعفِ ایمان کی بیماری ایک خوفناک سرطان کی طرح اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے، جس کے زہریلے اثر سے کسی عضو[۱] کے کچھ گوشے تو محفوظ کہے جا سکتے ہیں، لیکن کوئی بھی پورا عضو ہرگز محفوظ نہیں۔ اس کے ان افراد کو تو چھوڑیے جو نماز اور روزے، حج اور زکوٰۃ تک کی کوئی پروا نہیں رکھتے، ان "پابند مذہب" لوگوں کو دیکھیے جن کی ایک وقت کی بھی نماز قضا نہیں ہوتی، جو عشر و زکوٰۃ کا ایک ایک حبہ ادا کیا کرتے ہیں، جن کے روزوں میں رمضان کے سوا نفل روزوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہوتی رہتی ہے، اور جو لبیک لبیک کہتے ہوئے قربان گاہ اسماعیل پر جاکر "اسلام" کے عملی معنی بھی سیکھ چکے ہیں۔ آپ پائیں گے کہ ان کا بھی ذوقِ ایمانی عموماً جرأت نا آشنا ہے، ان کے اندر کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کی کفر کے ماحول میں رہتے ہوئے زندگیاں بیت جاتی ہیں مگر ان کی جبینِ ایمانی پر کبھی شکن تک نمودار نہیں ہوتی، یعنی وہ اس نظام کے تحت زندگی بسر کرنے پر راضی ہیں جس سے خدا راضی نہیں ہے، راضی ہی نہیں بلکہ اس کی خدمت کے لئے اپنا پُر خلوص

---

[۱] "عضو" سے مراد یہاں معاشرے کے مختلف گروہ ہیں نہ کہ افراد۔

تعاون بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ تلاوت، تعظیم اور تقدیس کی حد تک تو وہ اس پورے قرآن کو مانتے ہیں جو دونوں دفتیوں کے درمیان موجود ہے، لیکن عمل درآمد کے لئے وہ اس کے صرف اتنے حصے پر قانع ہیں جتنے کی کفر اجازت دیتا ہے۔ وہ حوصلہ نہیں رکھتے کہ دینِ حق کی اقامت کا نام زبان پر لائیں، مبادا کہ اغیار کی تیوریوں پر بل پڑ جائیں۔ قرآن انہیں ان کی زندگی کا فرض وحید یاد دلاتا ہے، ان سے کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ (الصف-۱۴) کا مطالبہ کرتا ہے، ان کے سامنے اپنے دین کو مظلومیت اور مغلوبیت کی حالت سے نکالنے کے لئے سعی و جہد کا میدان پیش کرتا ہے، مگر تن آسانیوں کے یہ خلوت نشیں دم سادھے بیٹھے ہیں اور لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ (البقرہ-۱۹۵) (اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کی الٹی تاویلوں سے اپنے احساسِ فرض کو کچلتے جا رہے ہیں۔ یہ دین اللہ کے شاہد تھے، مگر ناسازگاری احوال کے طفیل وہ اپنے آپ کو اس بھاری بوجھ سے آزاد سمجھ بیٹھے ہیں۔ معمولی معمولی زحمتیں ان کے لئے ترکِ فرائض کا بہانہ بن جاتی ہیں اور دنیوی مفاد کی ادنیٰ ترغیبیں بھی ان کے پائے ثباتِ ایمانی کو متزلزل کر دیتی ہیں۔ جن باتوں کو عام حالات میں وہ بے دینی کی باتیں کہتے رہتے ہیں، سیاسی مصالح کا دباؤ پڑتے ہی وہ ان کو جائز اور مستحسن ٹھیرانے لگتے ہیں، جو چیزیں ان کی فقہ کی کتابوں میں آج بھی شعارِ کفر اور موجبِ تکفیر لکھی ہوئی ہیں بسا اوقات ان کو بھی گوارا کر کے وہ اپنی ایمانی خودی کو خیرباد کہہ دیا کرتے ہیں، محض اس لئے کہ منکرینِ اسلام کی خوشنودیاں اس "تقیہ" کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔ پھر جب کبھی اس ایمانِ ناتواں پر ذاتی یا ملی مفادات کی مصلحتوں کا ذرا کوئی غیر معمولی حملہ ہوتا ہے تو نہ پوچھئے کہ اس غریب کا

کیا حال ہو جاتا ہے ؟ اس وقت تو دین کے اصول اور مسلمات تک کی حرمت معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے، توحید کے اولین تقاضے بھی فراموش ہونے لگتے ہیں، قتال فی غیر سبیل اللہ جیسی معصیتِ فاحشہ کی حصہ داری ملّت کا بنیادی حق قرار پا جاتی ہے۔ طاغوتی عدالتوں کی کرسیوں پر بیٹھنے کی تمنا کوئی معیوب تمنا نہیں رہ جاتی، جوئے، شراب اور سود کے کاروبار کرنے والے اداروں اور محکموں کی چاکری "اللہ کا فضل" بن جاتی ہے، اور اقتدارِ اعلیٰ کی مدعی قانون ساز اسمبلیوں کی رکنیت دردِ ملّت کا آخری علاج ٹھیرائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات وہ کارِ شنیع بھی انجام دینا پڑ جاتا ہے جو بدر کے معرکے میں بعض ان ضعیف الایمان مسلمانوں نے انجام دیا تھا جن کے قدم مکہ کی زمین وطن پکڑ کر بیٹھ گئی تھی اور اس نے اجازت نہ دی تھی کہ وہ حکمِ الٰہی کے بموجب مدینے ہجرت کر جائیں، انجام کار جب اہلِ اسلام اور اہلِ کفر میں مسلح مقابلے کا موقع آیا تو لاچار انہیں بھی دوسرے اہلِ مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہونا پڑا اور نتیجہ میں دونوں جہاں کی ناکامی اور ذلت اٹھانی پڑی۔ آخر پہلی جنگِ عظیم میں آپ نے کیا دیکھا تھا ؟ یہی نا کہ انگریز بہادر کے غلام مسلمان اس کی استعماری اور سامراجی خواہشوں کی حمایت میں میدانِ جنگ میں بھیجے گئے اور وہاں ان کی تلواریں نہ صرف جرمن غیر مسلموں ہی کے خون سے رنگین ہوئیں بلکہ ترک مسلمانوں کے کلیجوں میں بھی پیوست ہوئیں، حد یہ ہے کہ حرمین کی ردائے قدس بھی ان کے نامبارک ہاتھوں سے محفوظ نہ رہ سکی۔

پھر اس معاشرے میں توحید و رسالت پر ایمان رکھنے والے وہ مسلمان بھی موجود ہیں، اور بتعداد کثیر موجود ہیں جن کا ایمان، تردد اور کم یقینی کا زنگ خوردہ ہے، جو زیادہ تر

اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان والدین سے پیدا ہوئے ہیں، نہ اس لئے کہ ان کے وجدان اور تعلق نے ان کے مسلمان ہونے کا باقاعدہ شعوری طور پر فیصلہ کیا ہے۔

"مذہبیات" میں ان کے اس تردد اور کم یقینی کا جب ظہور ہوتا ہے تو مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ (الحج۔ ۱۱) (جو شخص عبادت کرتا ہے اللہ کی، ایک کنارے پر ہو کر۔) کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ مشکلات اور احتیاجات کے وقت صحیح معنوں میں ان کا اعتقاد توحیدِ الوہیت پر باقی نہیں رہ جاتا، اور وہ کسی نہ کسی شکل میں غیر اللہ کو بھی پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ قبروں پر سجدے،، اصحاب قبور سے درخواستیں، بزرگوں کی نذریں اور نیازیں، یہ ساری باتیں جو ہر چہار سو دھڑلّے سے انجام دی جا رہی ہیں، آخر کس بات کا ثبوت ہیں ؟ انتہا یہ ہے کہ دفعِ آفات و بلیات کے لئے علانیہ یا علی! یا غوث، یا خواجہ! اَلْمَدَدْ پکارا جاتا ہے، صرف پکارا ہی نہیں جاتا بلکہ اس طرح کے مشرکانہ کلمات کو "شعائرِ اسلام" میں شمار کیا جاتا اور "اہل السنۃ والجماعۃ" میں سے ہونے کا نشانِ امتیاز قرار دیا جاتا ہے۔ پھر جب جوشِ عقیدت اس پر بھی نہ مانا تو لوگوں نے بڑھ کر عین محرابِ مسجد میں "یا شیخ فلاں شیئاً للّٰہ" کے کتبے نصب کر دیئے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی توحیدِ الوہیت کو خود اس کے گھر میں جا کر چیلنج دے دیا گیا کہ جو تنہا پروردگاری اور لاشریک خدائی کا دعوے دار ہے وہ سن لے کہ یہاں کچھ اور بھی صاحبِ کرم و بخشش ہستیاں موجود ہیں۔[۱]

---

[۱] اگر مذکورہ جملے کے ظاہری مفہوم کو لیجیئے تو اس سے بھی زیادہ گھناؤنا تصور سامنے آتا ہے۔ اس فقرے کا لفظی ترجمہ یہ ہے "اے شیخ فلاں! کچھ خدا کے لئے" یعنی خدا کے لئے کچھ عنایت فرمائیے۔ ذرا اس کے معنی

(باقی بر صفحہ ۱۴۴)

"دنیوی" امور (معاملات، سیاسیات، تمدن اور معاشرت وغیرہ) میں اس تردد اور بے یقینی کا جب ظہور ہوتا ہے تو اسلامی گفتار و کردار کی عجیب و غریب مثالیں سامنے آتی ہیں۔ "مسلمان" ہیں مگر اسلامی تصورات کا زبان پر نام لیتے وقت سخت حجاب دامن گیر ہوتا ہے، اسلامی تعزیرات کا ذکر آجائے تو جیسے ملی احساس کمتری انہیں اقوامِ غیر کی عدالت میں لا حاضر کرتا ہے اور وہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے معذرتیں اور صفائیاں پیش کرنے لگتے ہیں۔ اسلامی نظامِ اقتصاد کو اس وقت تک "مہذب" دنیا میں پیش کرنے کے قابل نہیں سمجھتے جب تک کہ اس کا نام "اسلامی سوشلزم" نہ رکھ لیں۔ گویا ان کے خیال میں اسلام کی عزت و وقار کا قیام اور اعتراف اگر ممکن ہے تو صرف "سوشلزم" کے طفیل، اور اس سے منتسب ہو جانے کی برکت ہی سے۔ اسلامی نظامِ سیاست و اجتماع کو خواہ وہ کتنا ہی زبردست ہدیۂ عقیدت کیوں نہ پیش کریں، مگر اس کی عملی محبت کا ان کے کاروبارِ حیات میں کوئی نشان ملنا بہت دشوار ہے۔ وہ اٹلی، جرمنی،

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۳) ومفہوم پر غور کیجیے۔ اس جملے میں دراصل توسل کے مسئلہ کو الٹ کر رکھ دیا گیا۔ توسل کے معنی تو یہ ہیں کہ اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ہم اس کے مقربوں میں سے کسی کو وسیلہ قرار دے کر اللہ سے مانگتے ہیں۔ مگر یہاں اس کے برعکس (معاذ اللہ) اللہ کو وسیلہ قرار دے کر شیخ صاحب سے مانگا جا رہا ہے۔ گویا اصل دینے والے شیخ صاحب ہیں اور اللہ کو ان کا مقرب ہونے کی وجہ سے وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کے کلمے پر اس کا مطلب سمجھ کر ایمان لایا ہو بھلا وہ کس طرح اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ خداوندِ عالم کو کسی بندے کے حضور وسیلہ بنا کر اس بندے سے دعا کی جائے۔

سوئٹزرلینڈ، برطانیہ، امریکہ، اور روس سے جا کر زندگی کے قانون لا سکے، انہیں اپنانے میں فخر محسوس کریں گے، لیکن اسلام کے نظامِ حیات اور قوانینِ زندگی کو اپناتے ہوئے ان کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ غلامی و محکومی کی مجبوریوں میں نہیں، بلکہ آزادی و خود مختاری کی پاک فضاؤں میں بھی انہیں اسلامی اقدار کو اپنانے میں تامل ہوتا ہے۔ مگر مادی تہذیب کی قدریں اپنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم اقوامِ عالم کی نگاہوں میں باعزت اور مہذب ہو رہے ہیں۔ تمدن، معاشرت، تعلیم اور اخلاق میں مغربی افکار و نظریات سے ہٹ کر علماءِ اسلام کی رہنمائی قبول کرنا ان پر انتہائی شاق گذرتا ہے، دوسرے علوم اور مسائل کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ ان کے ہاتھوں میں اقتدار آجائے تو بجائے اس کے کہ وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں، "عیش پرستی کے اڈے" قائم کرتے ہیں، اپنے شاہانہ کر و فر کے لئے غریبوں کا خون چوستے ہیں، رقص و سرود کی محفلیں سجاتے اور مینا بازار لگاتے ہیں اور ایسا ماحول بناتے جاتے ہیں جس میں خیر اور حق گھٹ گھٹ کر مرتے ہیں اور شر و باطل معاشرے کی پوری اجتماعی قوت کو اپنی غذا بنا کر پروان چڑھتے ہیں۔ محض اس لئے نہیں کہ ان کے نفسوں کو اسی میں چھوٹ ملتی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اغیار کو یہی پسند ہے، اور اس زمانہ میں اسلام اور مسلمان کو روشن خیال ثابت نہیں کیا جا سکتا اگر یہ چیزیں اختیار نہ کی جائیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ان میں کتنے ہی ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ملت کے ساتھ گہرا تعلق لگاؤ بلکہ عشق ہے، اور اس عشق کی راہ میں وہ بسا اوقات اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں۔۔ مگر بڑا فرق ہے اس لگاؤ میں جو اسلام کے ساتھ ہو اور اس لگاؤ میں جو ملتِ اسلام یعنی مسلمانوں کے ساتھ ہو۔ کاش ان کا عشق، عشقِ مسلمین کے بجائے عشقِ اسلام ہوتا! اس

کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ آدمی کو اسلام کا تفصیلی علم، اس کی صحیح معرفت اور انشراح صدر ہی کی بنیاد پر اسے اسلام کے ساتھ عقیدت ہو۔ لیکن یہاں تو یہ جنس گراں مایہ بالکل ہی نایاب ہے۔ چونکہ وہ خوش قسمتی سے مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں، اس لئے انہیں "اسلام" اور "مسلمان" کے الفاظ کے ساتھ ایک گہری وابستگی تو ہے، قومی عصبیت کی وابستگی، اور اس وابستگی نے ان کے دلوں میں اسلام کے لئے ایک عقیدت اور جذبۂ احترام بھی پیدا کر دیا ہے، مگر وہ حد درجہ مبہم ہے۔ جہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس مبہم عقیدت کو واضح اور عملی عقیدت سے بدلو، وہیں سے فکر و عمل کے اس عجیب و غریب تضاد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کی طرف ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

معاشرے کا فرض

یہ ہے امت کے افکار و اعمال کا ایک مجمل جائزہ۔ تو خود شرح مفصل بخواں ازیں مجمل۔ جس ایمان ملی کے ساتھ نفاقِ عقیدہ و نفاقِ عمل کی ایسی زبردست جونکیں لپٹی ہوئی ہوں اور یوں اس کے اندر سے برابر خون نچوڑ رہا ہو، اگر اس کی قوت غریزی کم سے کمتر ہوتی جارہی ہو، نبض کی رفتار ضعیف اور ناہموار ہو رہی ہو اور چہرے پر مردنی سی چھا رہی ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ تو ٹھیک اسی سنت خداوندی کا ظہور ہے جو ابتدائے آفرینش سے آج تک سینکڑوں ہزاروں قوموں کو زندگی اور اقبال کے میدان سے ہٹا کر پرے پھینک چکی ہے۔ مسلمان اگر خود اپنے دشمن آپ نہیں ہیں تو اس وہم میں نہ رہیں کہ یہ سنت ان کی طرف سے آنکھیں میچ لے گی۔ اگر انہیں زندگی اور فلاح عزیز ہے تو پوری دیدہ ریزی سے سب سے پہلے اپنے اندرون کا جائزہ لینا پڑے گا۔ ان کے معاشرے کو بھی اور ان کے افراد کو بھی۔ جو لوگ واضح اور معتبر قرآنی کی روشنی میں نفاق عقیدہ کے مریض معلوم ہوں ان کے

وجود سے معاشرے کو پاک کرنے کی ویسی ہی جدوجہد کرنی پڑے گی جیسی کہ وباؤں کے پھوٹ پڑنے پر ان کے جراثیم کو ہلاک کرنے کی کی جاتی ہے۔ اس جدوجہد کی ابتدا بغیث افہام و تفہیم اور اصلاح و تذکیر ہی سے ہونی چاہیے۔ لیکن اگر اس تریاق کے بعد بھی زہر دور نہ ہو تو ہر شخص کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف اپنے سارے ممکن ذرائع سے اٹھ کھڑا ہو، ان سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کرلے، ان کے خلاف ہر مناسب تدبیر سے جہاد کرے اور سوسائٹی میں ان کا سانس لینا دوبھر کر دے۔ اس میں اسے ذرہ برابر مداہنت سے کام نہ لینا چاہیے۔ ورنہ اگر اس نے ایسا کیا اور ان منافقوں کے ساتھ اپنے وطنی، نسلی، خاندانی، معاشی، اور معاشرتی تعلقات کا لحاظ کر کے یا ان کی سیاسی تگ و دو کے حصول اقتدار میں وہ ان سے کچھ ذاتی فائدوں کی امیدیں رکھ کر، یا ان کے جاہ و اقتدار سے مرعوب ہو کر وہ انہیں برداشت کرتا رہا تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کشتی کبھی ساحل مراد پر نہیں پہنچ سکتی —— نہیں بلکہ ساحل مراد کی طرف جاتی نہیں جس کی نیں کے ناخداؤں میں سے اگر کچھ لوگ اسے صحیح رخ پر کھے رہے ہوں تو کچھ دوسرے اسے کسی اور رخ پر کھے کر بڑھائے جا رہے ہوں، اور سواروں میں سے بعض چپوؤں کو چھوڑ کر کلہاڑے لئے اس کے پیندے میں سوراخ کر رہے ہوں اور دوسرے ان کے ہاتھوں سے چپو یا کلہاڑے چھین لینے کے بجائے خاموشی سے طرح دیئے جا رہے ہوں۔ رب العزت کی قسم! ایسی کشتی ڈوب کر رہے گی، اور اس وقت صرف سوراخ کرنے والے یا غلط سمت کھینے والے ہی ہلاک نہ ہوں گے بلکہ خاموشی سے تماشہ دیکھنے والے بھی سمندر کی گہرائیوں میں دفن ہو جائیں گے۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً۔ (الانفال۔ ۲۵) (اور ڈرو اس فتنے سے جو

صرف ان لوگوں ہی تک نہ پہنچے کا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے)۔

رہے نفاقِ عمل کے مریض، تو ان کے بارے میں تذکیر و اصلاح کے ایک طویل اور مسلسل سعی و جہد کے پروگرام پر عمل کرنا پڑے گا۔ یہ ایک بڑا پتہ ماری کا کام ہے اور معاشرے کی فلاح و ترقی کا سب سے ابتدائی اور لازمی زینہ۔ کیونکہ جب تک اس معاشرت کی ایک بہت بڑی تعداد اس مرض سے نجات نہیں پا جاتی وہ اس کشاکشِ حیات میں اپنا وجود محسوس نہیں کرا سکتا ـــــ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ملت کے چارہ سازوں کی نگاہ سر ضرورت پڑ جاتی ہے، اگر نہیں جاتی تو اسی اوّلین ضرورت پر۔ گویا ان کے خیال میں مسلمانوں کے اخلاق و عمل میں نفاق کی یہ گرم بازاری کسی فکر اور توجہ کی محتاج ہے ہی نہیں، اور یہ کوئی بیماری ہی نہیں جس کے علاج کی ضرورت ہو۔ انتہا یہ ہے کہ اب تو خود "زعیم قوم" "قائدِ ملت" اور پیشوائے امت بنے ہیں، یہ کوئی رکاوٹ کی چیز نہیں رہی۔ یعنی ملت کے چارہ ساز بھی وہی لوگ ہونے لگے ہیں جو خود چارہ سازی کے اتنے ہی محتاج ہیں جتنا کہ کوئی اور، جن کا صفحۂ قلب و دماغ خود ہی کئی منافقت کے دھبوں سے زنگ آلود ہو رہا ہے، اور جو خود لذتِ اخلاص سے تہی کام ہیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ملت کی سب سے آخری صفوں میں جگہ پانے کے لائق تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

(زاہ مر)